No. 61 Regd. No. L-959
Sep. '69 Rs. 1·25

SHAHKAR

(Literary Urdu Digest)

ALLAHABAD.

نادر و نایاب تحفے

گھر کا ڈاکٹر



روغن برق رجسٹرڈ

ہر قسم کے درد۔ چوٹ۔ موچ۔ ورم۔ زخم۔ درد سر۔ درد چشم
اعصابی تکالیف۔ بچھو بھڑ کے ڈنک۔ درد کمر۔ خناق
میٹھوا۔ درد کان درد دانت۔ درد پسلی۔ سوکھا روگ
نزلہ۔ زکام۔ گھٹنوں کا درد۔ ورم طحال۔ درد گردہ۔ درد سینہ۔ اعصابی کمزوری
نمونیہ۔ جلنے اور کٹنے کے لئے بہت مجرب اور زود اثر ثابت ہوا ہے۔

·50, ·90, 1·65 3/-

یونین کیمیکل ورکس کی کامیاب ایجاد

روغن سملبائی

پورے اور آدھے سر کے درد اور ایسے درد سر کے لئے جو سورج کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ بڑھتا اور گھٹتا ہو اور آنکھوں کے ڈھیلوں میں شدت کا درد ہو، حد درجہ مفید ہے۔

ہزاروں لاکھوں اشخاص نے اس خداداد نعمت سے شفا حاصل کی ہے۔ آپ بھی استعمال کریں اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھیں۔

قیمت فی شیشی 1/-. 1·75. 3·25

لاکھوں مریض شفا یاب ہو چکے ہیں

قمرالدین بدرالدین پرفیومرس
چوک الہ آباد

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

شاہکار

No. 61

چند لکھنے والے

جیلانی بانو　　کرشن موہن　　انور　　باقر مہدی

رضیہ فصیح احمد　　بلراج کومل　　قاضی سلیم

جمیلہ شاہین　　گربچن سنگھ　　کمار پاشی　　بلو بیدل

فہمیدہ ریاض　　عشرت نقوی　　ادیب سہیل

ناصر شہزاد　　شہریار　　زیب غوری　　قیصر الجعفری

اویس احمد دوراں　　راحت نسیم ملک

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اُردو کے معیاری ادبی رسائل کا انتخاب

شاہکار

۶۱

مجلس مشاورت
سید احتشام حسین
خواجہ احمد عباس
مہندر ناتھ
خلیل الرحمن اعظمی
مظفر شاہجہانپوری
جیلانی بانو

مُدیر —
محمود احمد ہنر

معاون —
انتخاب سید

قیمت ۱/۲۵ — ستمبر ۶۹ء — سالانہ بارہ روپے

دفتر شاہکار، ۱۳۴/بخشی بازار، الہ آباد-۳
لکھنؤ آفس — سروری منزل، کیّا احاطہ، لکھنؤ
بمبئی آفس — ڈائمنڈ لاج، سکندر پیر خاں اسٹریٹ بمبئی ۸۔ فون نمبر ۲۷۷۹۶۵

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

فہرست

افسانے

نظمیں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

مضمون

غزلیں

تبصرے

شاہکار کا شمارہ نمبر ۶۳

مخدوم محی الدّین نمبر

ہوگا۔ مخدوم کی زندگی اور شاعری پر منتخب مضامین اور مخدوم کا منتخب کلام۔ مخدوم کی متعدد تصاویر۔ قیمت صرف دو روپے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اپنی بات

جی چاہتا ہے کہ آج آپ سے اپنی ہی بات کی جائے ——— صرف اپنی بات۔

"شاہکار" کا موجودہ شمارہ کلی طور پر میرے ہاتھوں میں آنے کے بعد گیارہواں نمبر ہے جبکہ اسے پچیسواں نمبر ہونا چاہیے تھا۔

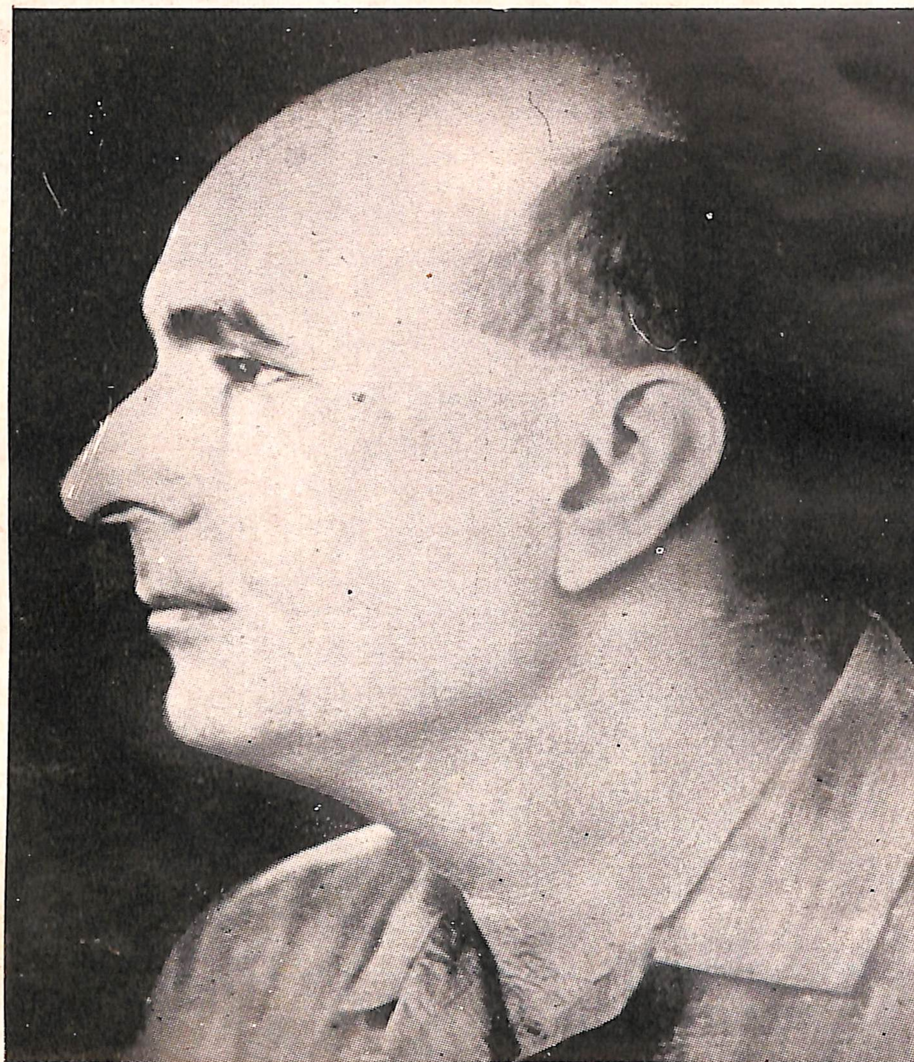
اس سے قبل اس کے پچاس نمبر نکلے جبکہ ۱۱۶ نمبر شایع ہونے چاہیے تھے۔ اس لحاظ سے اس ماہنامہ کا وقفہ اشاعت اوسطاً ڈھائی ماہ سے کچھ زیادہ ہی رہا۔

اشاعت کی اس بیقاعدگی سے فائدہ صرف اتنا ہوا کہ طویل تر تاخیر کے باوجود "شاہکار" کبھی "مرحوم" نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اس کے نقصانات بے شمار تھے جو ہم برداشت کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اپنا نقصان کوئی نہیں چاہتا۔ یہاں ہمیں صفائی سے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ اس بیقاعدگی کا سبب مالی وسائل کی کمی تھی۔ "شاہکار" جب جاری ہوا اُس وقت بھی ہمارے پاس کوئی خاص سرمایہ نہ تھا۔ ہم نے کسی خاص فائدے کی اس سے اُمید بھی نہ کی تھی۔ اسکی اشاعت کے پیچھے صرف یہ جذبہ تھا کہ خالص ادبی ذوق رکھنے والے وہ قاری جو ہندوپاک کے سب ادبی رسائل نہیں حاصل کر سکتے، ان کے لیے بہترین ادبی تخلیقات کا انتخاب پیش کر کے زبان اور ادب کی خدمت کریں گے اور اتنا ہی بہت ہوگا کہ ہم جو سرمایہ لگائیں وہ محفوظ رہے اور "شاہکار" جاری رہے۔ ہمیں خوشی ہوئی جب ادبی حلقوں نے ہماری اس کوشش کو سراہا اور "شاہکار" ایک معیاری ادبی ڈائجسٹ تسلیم کیا گیا۔ مزید خوشی اُس وقت ہوئی جب "شاہکار" کا تیسرا نمبر ہی خود کفیل ہو گیا۔ یہ ضرور ہے کہ ہم نے محنت یا دفتر کے عام اخراجات کے نام پر ایک پیسہ نہیں لیا۔ برادرم اختر سندیلوی اپنی سرکاری مصروفیات کے ساتھ ساتھ پوری مستعدی سے انتظام کی ذمہ داریاں سنبھالتے رہے۔

کچھ عرصہ بعد جب اختر صاحب کی ذمہ داریاں بڑھیں تو ہم نے "شاہکار" کی اشاعت و فروخت کی ساری ذمہ داری کتابستان کو سونپ دی۔ کتابستان کے مالکان میں سے میرے ایک دوست نوراللہ خاں صاحب نے خود بھی کچھ پیسے لگائے اور ایک آدمی خاص "شاہکار" کے کام کے لئے ملازم رکھ لیا۔ اخراجات میں یہ اضافہ "شاہکار" کے خسارے کا موجب ہوا لیکن اس کا احساس ہونے کے باوجود انور صاحب نے کوئی فکر

(بقیہ صفحہ ۱۴۳ پر)

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.



کرشن موہن

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

انور

کب ہوگا سویرا

پارٹی شباب پر تھی۔ کوک ٹیل تقسیم ہو رہی تھی۔ مرغوں کی دُمیں زور زور سے ہل رہی تھیں۔ مرغوں کی ٹانگیں بُری طرح سے لڑکھڑا رہی تھیں اور اب مرغوں کی اذانیں بلند ہونے والی تھیں اور مسجدوں میں سوئے ہوئے موذّن بیدار ہونے والے تھے۔

فینسی ڈریس شو ہال میں ہوا تھا جس میں سرخ لائٹوں کی تیز روشنی کے سامنے فینسی ڈریسنگ میں حصہ لینے والے ایک دائرے کی شکل میں ججوں کے اِردگرد گھومتے رہے تھے۔ کمانڈر قاضی کو مردوں کا اور مسز کرسٹین کرافورڈ کو عورتوں کا فینسی ڈریسنگ میں پہلا انعام ملا تھا۔

کمانڈر قاضی ایک خونخوار سمندری ڈاکو کے فینسی ڈریس میں تھا۔ اُس نے سرخ، سبز، سیاہ اور زرد بنٹنگ کا بنا ہوا رنگ برنگا لباس پہنا ہوا تھا۔ دراصل یہ رنگ دار اونی بنٹنگ کی سُرخ، سبز، سیاہ اور زرد جھنڈیاں ہیں جو فرداً فرداً انگریزی کے حروف تہجّی کی نمائندگی کرتی ہیں اِن سے اونچے سمندروں میں بحری جہاز ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔ کمانڈر قاضی نے انگریزی حروف تہجّی کی جن جھنڈیوں سے اپنا لباس تیار کیا تھا وہ یہ ہیں:۔ پی، اے، کے، آئی، ایس، ٹی، اے، این، اس رنگ برنگے لباس پر اژدہے کے موٹے چمڑے کی چوڑی پیٹی تھی۔ جس کے ایک طرف خوفناک چوڑے چپکلے فولاد کی تلوار تھی اور دوسری طرف زنجیر اور ہتھکڑی لٹکی ہوئی تھی اس نے گھٹنوں تک فل سائز کے گم بوٹ پہنے ہوئے تھے، اس کی داڑھی اُس کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سینے پر پھیلی ہوئی تھی اور اُس کے سر کے بال اس کے کندھوں پر پڑے تھے۔ اس کے کانوں میں موٹے موٹے سونے کے بالے تھے۔ پارٹی میں سب مہمان اُس کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے، وہ فینسی شو میں حصہ لینے والوں کے ساتھ ججوں کے ارد گرد گھوم رہا تھا، ججوں نے اس کو سب سے پہلے اپنے سامنے بُلایا۔

چیف جج نے اُس سے پوچھا :-

"آپ کون ہیں ؟"

اُس نے غضب آلود لہجے میں جواب دیا۔

"میں ایک سمندری ڈاکو ہوں۔ سمندروں کا شہزادہ"۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟"

"مجھے محمد بن قاسم نے بحیرۂ عرب کی حفاظت کے لئے یہاں تعینات کیا ہے"۔

"آپ کا محمد بن قاسم سے کیا تعلق ہے ؟"

"میں محمد بن قاسم کا گورنر ہوں، محمد بن قاسم بحیرۂ عرب میں سمندری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے آیا تھا، پھر اُس نے بحیرۂ عرب کے ساحل پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی، کچھ عرصے کے بعد مغرب کی سفید قوموں نے اس سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ شاید مغرب کی سفید قوموں نے یہ سمجھا تھا کہ محمد بن قاسم مر گیا ہے۔ نہیں محمد بن قاسم مرا نہیں، محمد بن قاسم زندہ ہے، میں محمد بن قاسم کا گورنر ہوں۔ میں نے بحیرۂ عرب کے ساحل کو سفید قوموں کی قید سے آزاد کرا دیا ہے، اور اب میں اپنے جہازوں کے ساتھ بحیرۂ عرب کے ساحلوں کی حفاظت کر رہا ہوں"۔

سارا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔

محمد بن قاسم کا گورنر فینسی ڈریس کے دائرے میں واپس چلا گیا۔

عورتوں میں فینسی ڈریسنگ کا پہلا انعام پانے والی مسز کرسٹین کرافورڈ نے ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کا سفید براق ریشمی فراک پہنا ہوا تھا، جو اوپر گلے تک بند تھا، اور جس کے سینے پر

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سموکنگ کی ہوئی تھی اور جس کے کفوں پر لیس لگی ہوئی تھی۔ فروک کا وہ حصّہ جو کمر کے اوپر تھا کین کے گول فریم کی مدد سے ایک گول چینٹ دار ستون کی شکل میں پیروں تک چلا گیا تھا۔ سر پر کالے ربن والی سفید اونچی ہیٹ پہن کر مسز کرسٹین کرافورڈ کسی عجائب گھر میں رکھا ہوا مجسّمہ معلوم ہوتی تھی، ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کی عورت عورت نہیں تھی، عورت کا مجسّمہ تھی۔ مسز کرسٹین کرافورڈ نے کلب کے ہال کو عجائب گھر بنا دیا تھا۔ ججوں نے مسز کرسٹین کرافورڈ کو ان کے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا۔

چیف جج نے پوچھا:-

"آپ کون ہیں ؟"

مسز کرسٹین کرافورڈ نے جواب دیا:-

"میں لیڈی ہیملٹن ہوں۔"

"میں قوموں کو زیر و زبر کر دیتی ہوں، اور فاتحوں کو مفتوح بنا دیتی ہوں۔"

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں ؟"

"میں یہاں کی عورتوں سے ناراض ہوں۔ یہاں کی عورتیں مجھے برقع اور شلوار سمجھتی ہیں، میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں، میں اُن کو بتانا چاہتی ہوں کہ لیڈی ہیملٹن کا کام اس دُنیا میں برقعے اور شلوار کا کردار ادا کرنا نہیں ہے۔ لیڈی ہیملٹن زندگی کی کشمکش میں مبتلا ملکوں کے لئے سیاسی، معاشرتی اور ادبی ترقّی کا سمبل ہے۔"

فینسی ڈریس شو کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔

اختتام کے قریب جس وقت جج اپنا فیصلہ سُنانے والے تھے۔ ہال کے ایک طرف سے کچھ ہلچل ہوئی۔ یہ ہلچل تھوڑی دیر میں حیرت اور پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی نداؤں کے شور میں تبدیل ہو گئی۔ اور یہ شور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا گیا۔ سب حیران کھڑے تھے۔ سب ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ کیا ہوا ؟ کیا بات ہے ؟

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ہال کے ایک طرف سے ہجوم کو چیرتا ہوا مقامی کالج کے طالب علموں کا ایک گروہ فینسی ڈریس شو میں حصہ لینے کے لیے ہال میں داخل ہوا۔ تمام ہال پر اُداسی اور مُردنی چھا گئی۔ طالب علموں کے اس گروہ نے فینسی ڈریس شو کے لیے کوئی لباس نہیں پہنا ہوا تھا۔ وہ لنگوٹیوں اور پھٹے ہوئے تہمدوں میں تھے۔ ان کے سوکھے ہوئے جسموں میں پسلیوں کی ہڈیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ان کے پاؤں ننگے تھے۔ اور ان کی ٹانگیں بیساکھیوں کی طرح سوکھی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، اور اُن کے گرد سیاہ خندقیں کھدی ہوئی تھیں۔ اُن کے مُنھ پر مونچھیں اور داڑھیاں ایسی دکھائی دے رہی تھیں جیسے گڑھوں میں اُگی خودرو گھاس۔ اُن کے سروں پر چپکے ہوئے بالوں کی لٹیں سانپوں کی طرح لہرا رہی تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سانپ کسی کو ڈسنے کے لیے ڈھونڈھ رہے ہیں، وہ اپنے اپنے کمزور ہاتھوں میں نس کی سوٹیاں تھامے ہوئے ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے فینسی ڈریس شو میں داخل ہو گئے اور ججوں کے اردگرد چکّر کاٹنے لگے۔

ہال میں سنّاٹا چھا گیا۔ ججوں نے اپنے قلم اپنے مُنھ میں لے لیے اور میں زور زور سے تالیاں بجانے اور چلّانے لگا، لیکن دوسرے کسی مہمان نے میرا ساتھ نہ دیا۔ سب شو کا خیال چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں چُپ ہو گیا۔ میں نے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال لیے۔

ججوں نے فینسی ڈریس میں حصہ لینے والے اس نئے گروہ کی طرف کوئی توجّہ نہ دی۔ اور ان میں سے کسی کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم نہ دیا اس لیے وہ خود بن بُلائے یکے بعد دیگرے ججوں کے سامنے آنے لگے۔

ان میں سے ایک سب سے کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ، ڈگمگاتا، لڑکھڑاتا، ججوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کانپتے ہوئے بولا:-

"بس۔ بھوک ہوں!"

یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا اور فینسی ڈریس پریڈ میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ہڈیوں کا ڈھانچہ ججوں کے سامنے آیا اور بولا:۔

"میں بیماری ہوں"۔

پھر تیسرا ۔

"میں غریبی ہوں"۔

پھر چوتھا ۔

"میں بیکاری ہوں"۔

پھر پانچواں ۔

"میں بے گھر ہوں"۔

پھر چھٹا۔

"میں ننگا ہوں"۔

پھر ساتواں ۔

"میں جہالت ہوں"۔

پھر آٹھواں ۔

"میں بیکسی ہوں"۔

پھر ہال میں سناٹا چھا گیا۔

پھر چیف جج نے فینسی ڈریس شو کے انعاموں کا اعلان کیا۔

"مردوں کا فینسی ڈریس۔ فرسٹ پرائز ۔ کمانڈر قاضی۔ سمندری ڈاکو ۔ محمد بن قاسم کا گورنر"۔

ہال تالیوں سے گونج اُٹھا ۔

سمندری ڈاکو نے اپنی تلوار نیام سے نکال کر ہوا میں بلند کی اور ایک خوشی کا نعرہ بلند کر کے چیف جج کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا انعام لے کر چیف جج کو سیلوٹ کیا اور چیف جج کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔

چیف جج نے دوسرا اعلان کیا:

"عورتوں کا فینسی ڈریس۔ فرسٹ پرائز۔ مسز کرسٹین کرانفورڈ۔ لیڈی ہیملٹن"۔

ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔

لیڈی ہیملٹن چیف جج سے انعام وصول کر کے وکٹورین انداز میں جھک کر آداب بجا لائی اور واپس جانے لگی، وہ ابھی تھوڑی دور گئی تھی کہ سمندری ڈاکو اس پر اپنی تلوار نکال کر عقاب کی طرح جھپٹا۔

"ہالٹ"

لیڈی ہیملٹن ٹھہر گئی۔

"بحیرۂ عرب کے ساحل پر سفید قوموں کا داخلہ ممنوع ہے۔ تم کس کی اجازت سے میرے علاقہ میں آئی ہو۔؟"

لیڈی ہیملٹن نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم کو گرفتار کیا جاتا ہے"۔

سمندری ڈاکو نے اپنی پیٹی سے زنجیر کھول کر لیڈی ہیملٹن کے ہاتھوں میں، ہتھکڑیاں ڈال دیں اور اس کو لے کر ننگی تلوار کے سایہ میں کشاں کشاں مجمع کے درمیان گھومنے لگا، مجمع نے قہقہوں اور تالیوں سے ہال سر پر اٹھا لیا۔

جب وہ چیف جج کے سامنے سے گذر رہا تھا تو چیف جج نے اُسے بڑے ادب سے خطاب کیا:

"حضورِ والا اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں"۔

سمندری ڈاکو نے جواب دیا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو فریادی؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

چیف جج نے التجا کی۔

"حضور والا! مسز کرافورڈ کی جان بخشی کی جائے۔ وہ ہماری مہمان ہیں۔ ان کو اور انکے شوہر مسٹر ایڈورڈ کرافورڈ کو ہم نے اس فنکشن کے لیے خاص طور پر انگلستان سے مدعو کیا ہے۔ جناب والا!"

"میں آپ کو مسٹر کرافورڈ کے بارے میں ایسی حیرت انگیز باتیں بتاؤں گا، جس کو سن کر آپ بہت حیران اور بہت خوش ہوں گے۔"

سمندری ڈاکو نے اپنی تلوار کو نیام میں ڈال لیا اور تن کر چیف جج کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"بتاؤ!"

"حضور والا، یہ کلب صرف سفید قوموں کے لیے تھی۔ اس کے گیٹ پر ایک نوٹس بورڈ ہوتا تھا جس پر یہ عبارت لکھی تھی۔ صرف یوروپینوں کے لیے۔ کسی یوروپین کو اپنے ساتھ کسی دیسی آدمی کو کلب میں لانے کی اجازت نہیں بالکل اسی طرح جیسے ریلوے سٹیشنوں کے نوٹس بورڈوں پر لکھا ہوتا ہے "درجہ اوّل کے شرفا کے لیے طعام خانہ۔ کتوں کو اندر لانے کی اجازت نہیں"۔ آزادی سے پہلے مسٹر ایڈورڈ کرافورڈ اس کلب کے سکریٹری تھے، لیکن معلوم نہیں مسٹر ایڈورڈ کرافورڈ کا نام اتنے احترام سے کیوں لینے لگ گیا ہوں مسٹر ایڈورڈ کرافورڈ میرے لیے صرف ایڈورڈ تھا، نہیں وہ میرے لیے ایڈورڈ بھی نہیں تھا۔ وہ میرے لیے صرف ایڈی تھا۔ اس نے کیمبرج میں میرے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ وہ میرا کلاس فیلو تھا اُس کی ماں نے ہم دونوں کے لیے سینڈوچ بنائے تھے۔ اُس کی بہنوں نے ہماری قمیضوں پر بٹن لگائے تھے، اور جب میں اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آیا تو ایڈی اس کلب کا سکریٹری تھا اور اس دن شام کو جب میں ایڈی کے ساتھ اس کلب کے گیٹ پر آیا تو ایڈی نے اس کلب کا گیٹ کھول کر کہا:۔

"اچھا! خدا حافظ! میں نے کہا: ایڈی کتنے دیر کے بعد ملے ہیں ہم۔ آج شام ہم اکٹھے کیوں نہ گزاریں"۔

پھر یکایک میری نظر گیٹ کے نوٹس بورڈ پر پہنچ گئی۔ "صرف یوروپینوں کے لیے کسی یوروپین کو کسی دیسی آدمی کو کلب میں لانے کی اجازت نہیں"۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میں کسی ریلوے سٹیشن پر کھڑا ہوں، میرے ہاتھ میں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ ہے اور میں نوٹس بورڈ کی عبارت پڑھ رہا ہوں "درجہ اوّل کے شرفا کے لیے طعام خانہ۔ کتوں کو اندر لانے کی اجازت نہیں۔ درجہ اوّل کے شرفا اور تھرڈ کلاس کا ٹکٹ۔ اور پلیٹ فارم

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

پر مسافروں کا ہجوم اور ٹرین کی قیامت خیز آمد اور جو شرفا میں سے تھے وہ درجہ اول کی طرف بھاگے اور
شرفا میں سے نہیں تھے وہ تھرڈ کلاس میں بیٹھ گئے۔ لیکن میں پلیٹ فارم پر کھڑا رہا۔ اور سوچتا رہا کہ میں
شرفا میں سے نہیں ہوں۔ پھر میں ایک شریف آدمی کی طرح پلیٹ فارم پر کیوں کھڑا ہوں۔ یکایک میں
انجن کو زور سے مکا مارا اور ٹرین کو ایک زناٹے کی لات ماری۔ انجن پٹری سے اتر گیا اور ٹرین الٹ گئی
اور جب میرا غصہ کچھ کم ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایڈورڈ گیٹ کے پاس لہو لہان پڑا ہے۔ اس کے ہونٹ سے خون
نکل کر اس کی سفید ٹی شرٹ کے کالروں میں جذب ہو رہا ہے۔ اس کا ریکٹ اس سے دور لان کے کنارے
پڑا ہے۔ اس کے گھٹنے سے خون بہہ کر اس کی سفید نیکر کے کناروں پر ٹھہر گیا ہے اور ٹوسٹن بورڈ ٹوٹ کر نیچے ڈھ
میں جا گرا ہے۔ ہم دیر تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔ پھر میں آگے بڑھا۔ میں نے
اپنے رومال سے ایڈورڈ کے ہونٹ گردن اور گھٹنے سے خون صاف کیا، اس کو سہارا دے کر اٹھایا اور اپنے
سے لگا لیا۔ ایڈورڈ نے گیٹ کے دونوں دروازے پوری طرح کھول دیئے اور ہم دونوں کلب میں داخل ہو گئے

ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور دیر تک گونجتا رہا۔

چیف جج نے اپنی تقریر جاری رکھی۔

"حضور والا، یہ ڈرامہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس ڈرامے کا ڈراپ ابھی ہونے والا ہے۔ اس شام
اس کلب میں ٹینس کا میچ تھا۔ کلب کے سارے یوروپین ممبر کلب میں موجود تھے۔ جب انھوں نے مجھے ایڈورڈ
کے ساتھ کلب میں آتے دیکھا، تو وہ سب مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے حیران و پریشان دیکھنے لگے۔ پھر ان میں
ایک قوی ہیکل جوان میری طرف بڑھا اور مجھے حقارت سے دیکھتے ہوئے بولا: گیٹ آؤٹ یو بلیک باسٹرڈ
ایڈورڈ نے اپنی پوری قوت سے اپنا ریکٹ گھما کر اس جوان کے سر پر دے مارا۔ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ
لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد مجھے اور ایڈورڈ کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا، جب ہمیں ہوش آیا تو
ہم دونوں ہسپتال میں تھے۔"

چیف جج کوک ٹیل کے ایک گھونٹ کے لیے ٹھہر گیا۔ کلب میں مکمل خاموشی تھی۔ کلب کا کلاک ٹک ٹک
ٹک ٹک کر رہا تھا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

چیف جج نے اپنا کوک ٹیل کا گلاس بلند کر کے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :-

"جناب والا! اس وقت میرے گلاس میں دُنیا کی بہترین کوک ٹیل ہے۔ میں نے ابھی ابھی دُنیا کی بہترین کوک ٹیل کا ایک گھونٹ پیا ہے۔ آج شام کو اس کلب میں ہمارے معزز مہمانوں نے دُنیا کی بہترین کوک ٹیل نوش فرمائی ہے۔ جناب والا، دُنیا کی یہ بہترین کوک ٹیل میرے ایڈورڈ کی ایجاد ہے میرا دوست ایڈورڈ دُنیا کا چیمپئن کوک ٹیل مکسر ہے۔ ایڈورڈ کوک ٹیل کا آرٹسٹ ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے اس کو اس آرٹ میں کمال حاصل کرنے پر اس سال سر کا خطاب پیش کیا تھا، لیکن ایڈورڈ نے یہ اعزاز قبول کرنے سے انکار کیا، اس کی وجہ میں آپ کو تھوڑی دیر میں بتاؤں گا۔ اس وقت میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے ایڈورڈ کرافورڈ کو اس پارٹی کے لیے خاص طور پر انگلستان سے مدعو کیا ہے، اور غور فرمائیے کہ جو شخص برٹش گورنمنٹ کا سر کا خطاب ٹھکرا دیتا ہے، وہ ہماری دعوت قبول کر لیتا ہے اور یہی نہیں کہ وہ ہماری دعوت قبول کر لیتا ہے بلکہ وہ ہماری درخواست پر ہمارے مہمانوں کے لیے کوک ٹیل بنانا بھی قبول کر لیتا ہے اور اب سچی بات بتانے میں کیا حرج ہے۔ ہم نے اس کو اس پارٹی میں اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی کوک ٹیل چکھنے کے لیے ہی مدعو کیا تھا، اور اب ہم فخر سے آئندہ نسلوں کو یہ بتا سکیں گے کہ ہم نے ایڈورڈ کرافورڈ کی بنائی ہوئی کوک ٹیل پی ہے۔ خواتین و حضرات! میں ایڈورڈ کرافورڈ کا جام صحت تجویز کرتا ہوں۔"

بے شمار گلاس فضا میں بلند ہوئے۔

"ایڈورڈ کرافورڈ کے لیے!"

"ایڈورڈ کرافورڈ کے لیے!"

"ایڈورڈ کرافورڈ کے لیے!"

چیف جج نے اپنی تقریر پھر شروع کر دی۔

"حضور والا، جب اس کلب کی گورننگ باڈی نے ایڈورڈ کو ڈسمس کر کے واپس انگلستان بھیج دیا تو اس کلب پر زوال آ گیا۔ یہ کلب ہر سال اس تاریخ کو اپنا برتھ ڈے مناتی ہے۔ برتھ ڈے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کی یہ پارٹی ایڈورڈ کی کوک ٹیل کی وجہ سے سارے یورپ اور امریکہ میں مشہور تھی۔ آزادی کے بعد اب اس کلب میں یوروپینوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ لیکن کلب کے ممبران کو اپنے مہمان کے طور پر یہاں مدعو کر سکتے ہیں، حضور والا! بتانے والی بات یہ ہے کہ اس کلب کی گورننگ باڈی نے یورو پینوں پر داخلے کی پابندی کے باوجود ایڈورڈ کرافورڈ کو اپنا لائف ممبر بنا لیا ہے۔ گورننگ باڈی نے ایک اور اہم فیصلہ یہ کیا ہے کہ ایڈورڈ کرافورڈ کی زندگی میں ہر سال اس کلب کا برتھ ڈے منایا جائے گا اور ہر سال اس پارٹی میں ایڈورڈ کو مدعو کیا جائے گا۔ ایڈورڈ نے ہماری پیش کش کو قبول کرنے سے پہلے ایک شرط رکھی، وہ شرط یہ تھی کہ ایڈورڈ کرافورڈ کے ساتھ مسز کرسٹین کرافورڈ کو بھی یہاں مدعو کیا جائے۔ ہم نے یہ شرط بڑی مسرت کے ساتھ منظور کر لی، چنانچہ آج کی پارٹی میں مسٹر ایڈورڈ کرافورڈ اور مسز کرسٹین کرافورڈ ہمارے مہمان خصوصی ہیں، حضور والا، اس وقت مسز کرسٹین کرافورڈ آپ کی قید میں ہیں، ہم آپ سے ان کی رہائی کی درخواست کرتے ہیں۔"

سمندری ڈاکو نے بلند آواز سے اعلان کیا:

"لیڈی ہیملٹن کو رہا کیا جاتا ہے۔"

ہال پھر ایک دفعہ تالیوں سے گونج اٹھا، تالیوں اور قہقہوں کے درمیان سمندری ڈاکو نے لیڈی ہیملیٹن کی ہتھکڑیاں کھول دیں

فینسی ڈریس شو کے بعد ہمارا گروپ لان میں گلاب کے پھولوں کے ایک تختے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، ہم میں سے کسی نے کہا:

"یہاں ٹھیک ہے، یہاں سے کلب کا ہر حصہ نظر آتا ہے۔ کلب میں سب آنے جانے والے ہمارے پاس سے گذریں گے۔"

ہاں، یہاں سے کلب کا ہر حصہ نظر آتا تھا۔ ڈائننگ روم میں سمندری ڈاکو بھوکے، بیمار اور غریب طالب علموں کے گروہ کو کھانا کھلا رہا تھا، کھانے کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ان کی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سسیوں کی ہڈیاں صاف نظر آ رہی تھیں، وہ چکن سوپ، چکن روسٹ، فرائڈ فش اور فروٹ پڈنگ بڑے مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔ ان کے گلاسوں میں پانی کی بجائے کوک ٹیل تھی۔

اور لاؤنج میں تمام عورتیں اور لڑکیاں لیڈی ہیملٹن کے ارد گرد جمع تھیں۔

ہم میں سے کسی نے کہا:

"آؤ بیوٹی کے لیے نمبر دیں، آج یہ بیوٹی کونٹسٹ بھی ہونا چاہئے تھا۔ لیڈی ہیملٹن کو صفر نمبر"

میں نے کہا:

"کنواری لڑکیوں کو چھوڑ کر"۔

اُس نے کہا:

"کیوں کنواری لڑکیوں کو کیوں چھوڑا جائے"؟

میں نے کہا:

"ان میں میری لڑکیاں بھی بیٹھی ہیں"۔

کسی نے کہا:

"میری بھی"!

کسی اور نے کہا:

"میری بھی"!

ایک اور بولا:

"میری لڑکیاں بھی وہاں بیٹھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ کیسے ہوا کہ لڑکیوں کو بیوٹی کے نمبر نہ دئے جائیں۔ یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب لڑکیاں کالج کی بجائے لاؤنج میں بیٹھی ہوں تو اُن کے نمبر کٹ جاتے ہیں۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ لڑکیوں کو نمبر دیجئے اور بیگمات کو ڈائٹنگ کے نسخے، یہ صاحبان لڑکیوں کو نمبر دینے کے اس لیے خلاف ہیں کہ ان کی لڑکیاں فیل ہو جائیں گی"۔

تازہ کوک ٹیل کے گلاس آ گئے۔ عثمان ٹرے کی طرف تیزی سے بڑھا، میں نے اس کو بازو سے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچ لیا اور بیرے کو انگلی کے اشارے سے جانے کے لیے کہا۔ عثمان بہت پی گیا تھا۔ اب وہ بُری طرح سے ڈگمگا رہا تھا، اور میرے کندھے کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم باز تھیں۔ میں ابھی ابھی اُس کو باتھ روم سے لایا تھا، فلش سسٹم خراب ہو جانے کی وجہ سے انتظامیہ نے وہاں بیس پوٹ رکھوا دئے تھے۔ تمام بیس پوٹ بھرے پڑے تھے۔ بیس پوٹ سے باہر پیشاب کرتے ہوئے مجھے عثمان نے کہا: "سب پی رہے ہیں، تم مجھے وسکی کیوں نہیں دیتے۔" میں نے کہا: وسکی ختم ہو گئی ہے اور تم نے پیشاب کر لیا ہے۔ چونکہ اُس نے کہا: "وہاں وسکی نہیں ہے۔ مجھے یہیں رہنے دو۔ بیس پوٹ سے وسکی کی خوشبو آ رہی ہے۔" میں اُس کو کھینچ کر لان میں لے آیا، اور اب جو میں نے اُس کو کوک ٹیل کا گلاس لینے سے منع کیا تو اُس نے جھنجلا کر میرا کندھا جھنجھوڑتے ہوئے لڑکھڑاتی زبان سے مجھے کہا: "سور کے بچے! اگر تو مجھے ایک کوک ٹیل نہیں دے گا، تو میں ابھی باتھ روم میں جا کر سارا بیس پوٹ پی جاؤں گا۔" میں نے اُس کے بال پکڑ کر زور زور سے تین چار جھٹکے دیے۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں، اور جب میں نے اُس کو چھوڑ دیا تو اُس کی آنکھیں پھر نیم باز ہو گئیں۔ وہ کندھے گرا کر اور گردن لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

پھر جب میری نظر عثمان سے ہٹی تو میں نے دیکھا کہ سمندری ڈاکو ڈائننگ ہال کی طرف سے بڑے غضبناک انداز میں ہمارے گروپ کی طرف چلا آ رہا ہے۔

وہ ہم سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا، اور غصّے سے بھری ہوئی نظروں سے ہمارے گروپ کے افراد کو دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے گرجدار آواز میں کہا:

"ہمیں کس نے پکارا؟ فریادی، ہم آ گئے ہیں، بتاؤ! بتاؤ! ہمیں کس نے پکارا؟"

عثمان لڑکھڑا کر تھوڑا سا آگے بڑھا اور بولا:

"میں نے!"

سمندری ڈاکو نے مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا:

"ہاں، میں دیکھ رہا تھا، تم نے اس کو کوک ٹیل لینے سے منع کیا۔ یہ پارٹی ۔۔۔ کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

آداب کے خلاف ہے، میں نے دیکھا کہ جیب عثمان نے شراب طلب کی تو تم نے بڑی بے رحمی سے اُس کے بال نوچے، تمھیں ایک معصوم اور مظلوم شرابی پر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے شرم نہیں آتی "

پھر اُس نے بیرے کو آواز دی۔ ایک بیرا مختلف شرابوں کی ٹرے لیے ہوئے آ گیا۔ اُس نے بیرے کو حکم دیا۔

"صاحب کو کوک ٹیل دو"

بیرے نے شرابوں کی ٹرے عثمان کے سامنے کر دی۔ عثمان نے کوک ٹیل کا ایک گلاس اُٹھایا اور اُسے غٹا غٹ پی گیا۔ اُس نے خالی گلاس کو ٹرے میں رکھ دیا، اور کوک ٹیل کا ایک اور گلاس اُٹھا لیا۔ پھر بیرا سمندری ڈاکو کی مزید ہدایات کے لیے اُس کے برابر کھڑا ہو گیا۔

سمندری ڈاکو نے سب سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"کوئی اور بھی ہے جس کو مجرم نے بہکانے کی کوشش کی ہو؟"

سب نے جواب دیا۔

"نہیں"

پھر سمندری ڈاکو نے سب سے فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا۔

"آپ کے گلاس میں کیا ہے؟"

"کوک ٹیل"

"آپ کے گلاس میں؟"

"کوک ٹیل"

اس کے بعد سوال کے بغیر ہی جواب آنے لگے۔

"کوک ٹیل"

"کوک ٹیل"

"شمپین"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"ووڈکا"

"مارٹینی"

"شیری"

"وسکی"

"برانڈی"

"کوک ٹیل"

"کوک ٹیل"

پھر اُس نے مجھ سے پوچھا۔

"تمھارے گلاس میں کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔

"میرے گلاس میں ان شرابوں میں سے کوئی شراب نہیں۔ مجھے اِن شرابوں سے نشہ نہیں ہوتا، میں ایک بہت بڑا شرابی ہوں۔ میں ہمیشہ نشے میں رہتا ہوں۔ میں جو شراب پیتا ہوں، وہ ان سب شرابوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ اِس دُنیا کی کسی بار میں نہیں ملتی۔"

"تم کہتے ہو۔ پُرتگال کے جس جہاز کو لوٹ کر میں نے اس کلب کو شراب مہیا کی ہے، اُس میں ہر قیمتی سے قیمتی شراب موجود تھی۔ میں بھی تمھارے لیے شراب مہیا کرتا ہوں۔ بتاؤ تم کون سی شراب پیتے ہو؟"

میں نے کہا:

"زندگی کی شراب!"

سمندری ڈاکو حیران ہو گیا اور بولا:

"زندگی کی شراب! یہ کون سی شراب ہے۔ اٹلی کی شراب ہوتی ہے۔ روس کی شراب ہوتی ہے۔ فرانس کی شراب ہوتی ہے۔ سکاٹ لینڈ کی شراب ہوتی ہے۔ زندگی کی شراب کون سی شراب ہوتی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ میری طرف بڑھا۔ اور میرے ہاتھ سے میرا گلاس چھین کر بولا:

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"لاؤ، میں دیکھوں، تم کونسی شراب پیتے ہو؟"

اس نے میرے گلاس میں سے ایک گھونٹ پیا اور پیتے ہی غصّے سے لال ہو گیا اور گرج کر بولا:

"او ناہنجار! بدکردار! یہ تو سوڈا ہے"۔

اس نے میرے سوڈے کے گلاس کو دور لان پر پھینک دیا، اور اپنی پیٹی سے ہتھکڑیاں نکالتے ہوئے بولا!

"تمھیں دروغ گوئی کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے"۔

سمندری ڈاکو نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں، اور مجھے کھینچتا ہوا کلب کے گوشے گوشے میں لیے پھرا۔

ڈائننگ ہال میں کھانے کی کرسیاں اور میزیں ہٹا دی گئی تھیں اور وہاں کرکٹ کا میچ ہو رہا تھا۔ ہال کی لمبائی میں میٹنگ بچھا ہوا تھا، اور اُس کے دونوں کناروں پر گیارہ گیارہ آدمیوں کی دو ٹیمیں کھڑی تھیں، ان ٹیموں میں تماشائی بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح ہال میں ہجوم ہو گیا تھا، لکڑی کا ایک شش پہلو بلوک جس کی لمبائی دو فٹ اور قطر آدھا فٹ تھا۔ میٹنگ پر باری باری لُڑھکایا جا رہا تھا۔ یہ بلوک سفید پینٹ کیا ہوا تھا۔ اس کے پانچ پہلو پر بڑے بڑے کالے اعداد میں رنز لکھی ہوئی تھیں۔ ایک پہلو پر ایک، دوسرے پہلو پر دو، تیسرے پر تین، چوتھے پر چوکا اور پانچویں پر چھکا، چھٹے پہلو پر آؤٹ لکھا ہوا تھا۔ ہر کھلاڑی باری باری لکڑی کا یہ بلوک میٹنگ کے ایک سرے پر کھڑا ہو کر اپنے پورے زور سے لڑھکاتا تھا۔ جب بلوک میٹنگ کے دوسرے سرے تک پہنچ کر رُک جاتا تھا تو اس کے اوپر کے پہلو پر جو عدد لکھا ہوتا تھا۔ وہ کھلاڑی کا سکور تھا۔ دو، ایک، تین، چھکا، دو، چوکا، آؤٹ۔ جب بلوک کے اوپر کے پہلو پر آؤٹ آجاتا تھا، تو کھلاڑی آؤٹ ہو جاتا تھا۔ اس طرح جب ٹیم کے سارے کھلاڑی کھیل چکتے تھے تو اس کے گیارہ کھلاڑیوں کے مجموعی سکور کے خلاف دوسری ٹیم کھیلنا شروع کرتی تھی۔ اس وقت جو ٹیم کھیل رہی تھی، اس کا سکور آٹھ سو چالیس تھا اور اُس کے چھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ آخری کھلاڑی نے تین سو پچاس رنز بنائی تھی جس میں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

دو چھکے تھے۔

بال روم میں دس بارہ جوڑے ڈانس کر رہے تھے، اُن میں سے میں صرف مسز مسعود اور اس کے ساتھ ڈانس کرنے والے شخص کو جانتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے اعزاز میں مسز مسعود نے اپنے گھر پر پارٹی دی تھی۔ وہ اس کو اپنا ہاتھ دکھانا چاہتی تھی۔ مسعود ایک کورس کے سلسلے میں انگلستان میں تھا۔ میں مسعود کی عدم موجودگی میں کسی پارٹی کے فیور میں نہیں تھا۔ لیکن مسز مسعود نے میری مخالفت کے باوجود پارٹی دی۔ یہ شخص جو اپنے آپ کو پروفیسر چشتی کہتا ہے، ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کا ماہر تھا۔ وہ بڑی جلدی سارے مہمانوں خصوصاً عورتوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس نے مسز مسعود کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ ہاتھ کی لکیروں کو دیر تک غور سے دیکھتا رہا، اُس کے ساتھ مہمان عورتیں اور مرد بھی مسز مسعود کے اوپر جھکے ہوئے غور سے اُس کی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہے تھے اور پروفیسر چشتی کی پیش گوئی کا بیقراری سے انتظار کر رہے تھے۔ سب نے سانسیں بند کر لیئے، اور خاموشی گہری ہوتی چلی گئی۔ اس خاموشی سے پروفیسر چشتی کی آواز اس طرح اُبھری جس طرح کسی قدیم یونانی مندر میں پیش گوئی کرنے والے دیوتا کی آواز اُبھرتی ہے "مسز مسعود آپ کے ہاتھ کی لکیریں بہت کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ لیکن میں صرف ایک بات بتاؤں گا" مسز مسعود نے کہا "بتایئے"۔ پروفیسر چشتی نے کہا: "آپ کی لکیریں اس وقت جو سب سے زیادہ اہم بات کہنا چاہتی ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ کے شوہر نامدار جونہی انگلستان سے واپس آئیں گے ان کا پروموشن ہو جائیگا۔"
اس پیش گوئی پر کسی کو یقین نہ آیا۔ سب نے محسوس کیا کہ پروفیسر چشتی مسز مسعود کی بریانی اور چکن کری کا شکریہ ادا کر رہے ہیں، مسعود بہت جونیئر تھا، وہ مجھ سے بھی جونیئر تھا۔ اس کا ریکارڈ بھی مجھ سے اچھا نہیں تھا۔ وہ بیرا کلاس فیلو تھا۔ اس کا تعلیمی معیار مجھ سے بہت نیچا تھا۔
مسز مسعود اپنے بہترین لباس میں پروفیسر چشتی کے ساتھ لگی ہوئی خوش و خرم ڈانس کر رہی تھی، جب اُس نے مجھے سمندری ڈاکو کے پیچھے ہتھکڑیوں میں دیکھا تو اُس کے چہرے کے خطوط کہہ رہے تھے۔ اچھا ہوا تم اسی قابل تھے۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کلب کا تھیٹر خالی پڑا تھا۔ ہمیں اس طرف سے گزر کر بار روم کی طرف جانا تھا۔ جب ہم اس میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ خالی نہیں ہے۔ اس کا آڈیٹوریم خالی تھا، لیکن اس کا اسٹیج خالی نہیں تھا۔ اس پر بھوکے، بیمار، بے کس طالب علموں کا گروہ علامہ اقبال کے ایک شعر کو ٹیبلو کی شکل میں پیش کر رہا تھا۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

طالب علموں کے ننگے کالے، سوکھے ہڈیوں کے ڈھانچے اسٹیج پر اس طرح پڑے تھے جیسے گندم کے جلے ہوئے خوشے، اس ٹیبلو کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن اس ٹیبلو کو پیش کرنے والوں کو اُمید تھی کہ اُن کو دیکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ خاموش، سنسان، خالی ہال کے درمیان کھڑے ہو کر میں نے خاموش زبان میں اُن سے کہا: میں آگیا ہوں، لیکن دوسرے لمحے سمندری ڈاکو مجھے کھینچ کر بار روم میں لے گیا۔

بار روم میں سات آٹھ پُرانے موسم زدہ بڈھے اپنی اپنی پسندیدہ شرابوں کے گلاسوں میں اپنے ماضی کے رنگین نقوش دیکھنے کی، اور دوسروں کو دکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

لاؤنج میں عورتیں جمع تھیں۔ نوجوان لڑکیاں لیڈی ہیملٹن سے پیشنس سیکھ رہی تھیں اور بڑی عمر کی عورتیں خانہ جنگی کی تاریخ اور فلسفے بیان کر رہی تھیں۔

برج روم اس دن تمبولہ کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔ جہاں بڑی رونق تھی۔ برج کے لیے باہر برآمدے میں میزیں لگا دی گئی تھیں۔

ہم تمبولہ کے ہجوم میں سے گزر کر برآمدے میں آگئے۔ جہاں کچھ ٹیبلوں پر برج ہو رہی تھی اور کچھ ٹیبلوں پر فلاش، یہاں میں نے انگلستان سے واپسی کے بعد مسعود کو پہلی دفعہ دیکھا۔ اس نے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے کہا پروموشن مبارک ہو۔ وہ بولا، شکریہ! لیکن تم اتنے دنوں سے کہاں غائب ہو۔ مجھے واپس آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ تم نے شکل نہیں دکھائی،

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

پھر وہ سمندری ڈاکو سے مخاطب ہو کر بولا: "حضور والا! ان کو رہا کر دیجیے، یہ بالکل بے قصور ہیں"۔
سمندری ڈاکو نے کہا: "ان کو اس وقت تک رہا نہیں کیا جائے گا۔ جب تک یہ تسلیم نہ کریں کہ دُنیا گول ہے۔ میں ان کو لے کر دُنیا کے گرد چکّر لگا رہا ہوں۔ جب میں ان کو لے کر اس مقام پر پہنچوں گا جہاں سے ہم چلے تھے تو میں ان سے پوچھوں گا کہ بتاؤ دنیا گول ہے یا نہیں۔ اگر انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہاں دنیا گول ہے، تو ان کو رہا کر دیا جائے گا"۔ یہ کہہ کر سمندری ڈاکو مجھے کشاں کشاں بلیرڈ روم میں لے گیا، جہاں دیر تک بلیرڈ کھیلتے رہے تھے۔ "آج انگلستان سے واپس آنے کے ایک ہفتہ بعد تم سے بلیرڈ کی بازی لگانے کو دِل چاہتا ہے"۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھ کر اس سے کہا: "تمھیں معلوم ہے۔ وقت کیا ہے۔ رات کے تین بجے ہیں"۔

بلیرڈ روم کلب کی مین بلڈنگ سے ہٹ کر نئے بلوک میں تھا۔ اس بلوک سے سوئمنگ پول تک بانسوں کی جالی تھی جس پر انگوروں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں، بعد میں جب سوئٹزرلینڈ سے نیا بلیرڈ ٹیبل بن کر آیا، تو اس کو مین بلڈنگ میں پُرانے بلیرڈ روم کی بجائے اس بلوک میں رکھ کر ایک نیا بلیرڈ روم بنا دیا گیا۔ پُرانے بلیرڈ روم میں اندھیرا تھا اور سیلن تھی۔ اس نئے بلیرڈ روم میں مغربی دیوار شیشے کی بنی ہوئی تھی جہاں سے شام کو غروب آفتاب کا منظر بڑا پیارا لگتا تھا۔

بلیرڈ روم میں پو کر ہو رہی تھی۔ چمک دار آبنوسی ٹیبل کی سبز ملائم فیلٹ کی سطح پر فلڈلائٹ کی تیز روشنی میں رنگ برنگے بلیرڈ بال بڑے اچھے لگ رہے تھے۔ بلیرڈ کے کھلاڑی کھیل میں اس قدر محو تھے کہ انھیں ہمارے اندر داخل ہونے کی بھی خبر نہ ہوئی۔ اس سے پہلے سمندری ڈاکو مجھے جس جگہ بھی لے کر جاتا تھا، وہاں لوگ ہمیں دیکھ کر قہقہے مارتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے، لیکن بلیرڈ روم میں عجیب بے اعتنائی تھی۔ عجیب خاموشی! عجیب پُراسراریت!

ہم بلیرڈ روم سے باہر آ گئے اور لان میں سے ہوتے ہوئے اپنے گروپ کی طرف چل پڑے۔ لان میں سے گزرتے ہوئے میں نے اپنی ہتھکڑیاں کھول کر سمندری ڈاکو کی پیٹھ میں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اڑس دیں اور اس سے مخاطب ہو کر بولا!

" او قاضی کے بچے، تو تو کہتا ہے کہ آج تک تیری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ پھر تو نے اس پارٹی میں آ کر عشا کی نماز کیوں قضا کی؟ معلوم ہوتا ہے تجھے اس لیے قاضی کہتے ہیں کہ تو اپنی نمازیں قضا کرنے کا عادی ہے"۔

وہ بولا:

"کس نے کہا کہ میری عشا کی نماز قضا ہو گئی، میں عشا کی نماز پڑھ کر آیا تھا، اور تمھیں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ پارٹی میری نمازوں میں حائل ہوتی ہے۔ پارٹیاں تو مجھے نمازوں کے اور بھی مواقع بہم پہنچاتی ہیں۔ پارٹی کے بعد میں تہجد کی نماز پڑھتا ہوں"۔

ہم اپنے گروپ میں پہنچ گئے۔

کسی نے سمندری ڈاکو سے کہا۔

" کلب کی گورننگ باڈی کی ہنگامی میٹنگ ہو رہی ہے، ایک بٹلر آپ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے"۔

سمندری ڈاکو نے حیرت زدہ ہو کر کہا:

" اس وقت گورننگ باڈی کی ہنگامی میٹنگ! اب ساڑھے تین بجے۔ اچھا میں جا رہا ہوں"۔

سمندری ڈاکو کلب کے آفس کی طرف چلا گیا۔

پھر سب نے مجھ سے یک زبان ہو کر کہا:

" آپ کے کاسٹنگ ووٹ کی ضرورت ہے"۔

میں نے کہا:

" کیا مطلب؟"

ان میں سب سے زیادہ چرب زبان نے کہا:

" بیوٹی کونٹسٹ میں مسز مظفر اور مسز مسعود دوسرے نمبر پر ٹائی میں آ گئی ہیں۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

تمھارے کاسٹنگ ووٹ سے فیصلہ ہوگا کہ ان دونوں میں سے دوسرے نمبر پر کون ہوگا۔"

میں نے پوچھا۔

"حُسن کے اس مقابلے میں کُتیاں، بلّیاں، عورتیں سب شامل تھیں؟"

ہلکی سی ہنسی۔

اُسی چرب زبان نے جواب دیا۔

"نہیں، صرف عورتیں تھیں۔ شادی شدہ عورتیں۔"

میں نے کہا:

"پھر مسز مسعود اس مقابلے میں کیسے آگئی؟ وہ تو ایک حسین کُتیا ہے۔"

سب ہنس پڑے۔ ایک نے کہا:

"تو مسز مظفر جیت گئی۔"

پھر سب نے کہا۔

"ہاں، مسز مظفر اس بیوٹی کونٹسٹ میں دوسرے نمبر پر آئی ہے۔"

میں نے پوچھا:

"پہلے نمبر پر کون آئی ہے؟"

کئی یک زبان ہوکر بولے۔

"تمھاری بیوی!"

میں ایک بُلند قہقہے میں پھوٹ پڑا، اور ہنستے ہنستے بولا:۔

"حضرات! آپ نے آج مجھے ایک بہت بڑی خوش خبری سُنائی ہے۔ مدت ہوئی اپنی شادی کی پہلی رات کو مجھے یہ محسوس ہوا تھا کہ میری شادی ایک بہت خوب صورت لڑکی سے ہوئی ہے، اس کے بعد آج آپ نے مجھے یہ بات یاد کرائی ہے۔"

سب ہنسنے لگے۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

میں نے لاؤنج کی طرف دیکھا۔ مسز مسعود کو ایک اور آدمی ڈانس کے لیے لے گیا
میں لاؤنج میں بیٹھی ہوئی دوسری عورتوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ میں مسز مظفر کو دیکھنا
چاہتا تھا۔

"عثمان کو کوک ٹیل نے بالکل مرغا بنا دیا تھا۔ اس کے کندھے اور بھی اوپر کو اُٹھ
گئے تھے۔ اس کی گردن اور بھی نیچے کو لٹک گئی تھی۔ اس کا ہاتھ کوک ٹیل کے گلاس کے بوجھ
سے لرز رہا تھا۔

یکایک برآمدے کے بائیں کونے سے مسٹر اور مسز مظفر نمودار ہوئے۔
ہم سب نے مسز مظفر کو دیکھنے کے لیے مسٹر اور مسز مظفر سے تعارف کی خواہش ظاہر کی۔
ہمارا چرب زبان دوست تیزی سے آگے بڑھا۔ عثمان جو اس کے راستے میں تھا، اس سے
ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ چرب زبان نے بلند آواز سے کہا:

"پروفیسر ساسانی، آپ اتنی جلدی واپس جا رہے ہیں، ابھی تو ساڑھے تین بجے ہیں۔"
پروفیسر ساسانی نے جواب دیا۔
"ہاں کچھ شر پسند لوگ زیادہ پی گئے۔ اب خواتین کا زیادہ دیر تک یہاں رہنا
خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

چرب زبان نے کہا:
"پروفیسر میرے دوست آپ سے ملنے کے خواہشمند ہیں۔ اس سے بہتر موقع ان کو کبھی
نہیں ملے گا۔ اس طرف تشریف لائیے۔"

مسز مظفر ساسانی وینس کا مجسمہ تھی۔ جس میں کسی بُت پرست نے اپنی محبت کی شدت
سے جان ڈال دی تھی۔ اور اپنے مرمر کے جسم پر ریشمی سونے کی ساڑھی پہن کر منظرِ عام پر آگئی تھی۔
میں اسے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور ایسا محسوس کر رہا تھا، جیسے میں کسی مقدس عبادت گاہ
کے سامنے کھڑا ہوں۔ جس کے گنبدوں پر منقش سونا چڑھا ہوا ہے۔ جب وہ ہمارے گروپ میں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

داخل ہوئی تو اس کے ساتھ خوشبوؤں کا کارواں آیا۔

عثمان جس کو کوک ٹیل نے مرغا بنادیا تھا، اپنی آنکھیں بند کیے ہنڈولم کی طرح جھوم رہا تھا۔ جب خوشبوؤں کا کارواں اس سے ٹکرایا۔ تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور مسز مظفر ساسانی کو غور سے دیکھنے لگا۔ اور پھر جب سارٹھیاں اور بلاوز فضا میں تیرنے لگیں تو اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

چرب زبان نے ہمارے گروپ کے سب ممبروں کا پروفیسر مظفر ساسانی سے تعارف کرایا، پھر پروفیسر مظفر ساسانی کا تعارف کراتے ہوئے اس نے کہا:

" اور یہ پروفیسر ساسانی۔ ہمارے ملک کے مشہور سوشل ورکر اور یہاں کے ایک اہم کالج کے مقتدر پروفیسر۔ انھوں نے ہی آج طالب علموں کے ایک گروہ کو دعوت نامہ بھیج کر ان کو فینسی شو میں حصہ لینے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ انھوں نے ہی طالب علموں کے فینسی ڈریس کے ذریعہ آج یہاں اپنے ملک کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ محترمہ "

یہاں چرب زبان کی زبان بند ہو گئی۔ پروفیسر ساسانی نے اس کی مدد کی اور محترمہ کا تعارف کرایا۔

" یہ ہیں میری وائف! "

یکایک عثمان کی آنکھیں کھلیں۔ اور اس نے مسز مظفر ساسانی کو دیکھتے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔

" طوائف؟ طوائف کہاں ہے؟ طوائف یہاں کیا کر رہی ہے؟ "

میں جھنجھلا اٹھا اور چلایا۔

" شٹ اپ یو ایڈیٹ۔ انھوں نے وائف کہا ہے۔ طوائف نہیں کہا "!

اور اس سے پہلے کہ میں مسٹر اور مسز ساسانی سے معذرت کرتا، وہ اپنی کار کی طرف چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد چرب زبان نے بلند آواز سے احتجاج شروع کیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"غضب ہو گیا۔ یہ کتنی بڑی بداخلاقی تھی۔ اب پروفیسر ساسانی سے میرے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ یہ بہت بُرا ہوا۔"

میں نے کہا:

"یار چھوڑو۔ بات کا بتنگڑ مت بناؤ۔ ایک شرابی کی زبان پھسل جانے سے مسز ساسانی طوائف نہیں بن جائے گی۔"

چرب زبان نے جواب دیا:

"اگر تم اس واقعے کی بیک گراؤنڈ سے واقف ہوتے تو یہ بات نہ کہتے۔"

میں نے کہا:

"تو بتاؤ نا بیک گراؤنڈ۔"

چرب زبان نے کہا:

"مسز مظفر ساسانی ایک طوائف ہے۔ نہیں میں غلط کہہ رہا ہوں، مجھے کہنا چاہیئے کہ مسز مظفر ساسانی ایک طوائف تھی۔ پروفیسر ساسانی ایک بے لوث سوشل ورکر ہیں۔ انھوں نے ملک کی فلاح و بہبود کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، ایک دن اُن کے پاس ایک طوائف آئی اور بولی وہ گناہوں کی زندگی سے تنگ آ چکی ہے اور اب معاشرے کی ایک مفید ممبر بن کر زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ مظفر ساسانی نے اُس کی کسی اچھے گھرانے میں شادی کرانے کی ہر ممکن کوشش کی، اس کے سب دوستوں نے ایک طوائف سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر ان کو خود اس سے شادی کرنی پڑی۔"

میں مزید معلومات کے لیے کچھ اور کہنا چاہتا تھا، لیکن ایک بٹلر نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی، اس نے میرے کان میں کہا: "مسعود صاحب آپ کو بلیرڈ روم میں بُلا رہے ہیں"۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا: "اچھا، میں جا رہا ہوں۔"

بلیرڈ روم میں مسعود اکیلا بلیرڈ کھیل رہا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس نے سپوڈیال سے سُرخ اور سفید بلیرڈ بال کا ایک کینن سکور کیا اور سُرخ بال کو دائیں پاکٹ میں لوٹ کر دیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

میں نے کہا :

"ویل ڈن۔"

وہ اپنا کیو لے کر کھڑا ہو گیا اور بلیرڈ ٹیبل کے کنارے پر پڑے ہوئے نیلے چاک کو اپ

کے سرے پر رگڑتے ہوئے بولا۔

"تم جانتے ہو۔ یہ کلب اپنا برتھ ڈے منانے کے لیے اپنے مہمانوں کو تمام رات اپنی آغو

میں رکھتی ہے۔ رات کو انہیں شاندار ڈنر دیتی ہے۔ ساری رات ان کی قیمتی شرابوں سے توا

کرتی ہے اور صبح کو ناشتہ دینے کے بعد ان کو الوداع کہتی ہے۔ ایسی پارٹیوں میں جہاں ر

ہوتا ہے، میں صرف بلیرڈ کی مدد سے جاگتا ہوں۔ اب ہم یہاں صبح تک بلیرڈ کھیلیں گے۔"

معلوم نہیں، ہم کب تک بلیرڈ کھیلتے رہے، بالکل چاپ چاپ، بالکل خاموش۔

پھر مسعود نے کہا :

"یار، تم چپ چپ کیوں ہو؟ کیا تمھاری ماں مر گئی ہے؟"

میں نے کہا :

"نہیں، ابھی زندہ ہے۔"

وہ بولا :

"کیا تم اپنی بھابی سے خفا ہو؟"

"کون بھابی؟ مسز مسعود؟"

"ہاں مسز مسعود، میری بیگم، تمھاری بھابی۔"

"نہیں، اب وہ میری بھابی نہیں ہے۔ مسز مسعود ہے۔"

"اوکے مسز مسعود، میں نے انگلستان جانے سے پہلے تمھیں اس کا نگراں مقرر کیا

اس نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے اپنے فرائض کامیابی سے انجام نہیں دیے، کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"کیوں ؟"

اس وقت میں میز پر جُھکا ہوا تھا۔ میرا کیو میرے بائیں ہاتھ کے اسٹینڈ پر تھا، اور میں
ی سفید بلیرڈ بال کے اوپر کے حصے کو سٹرائک کرکے ایک تیز رفتار کینن بنانے کی تیاری کر رہا
ا۔ میں کینن کا خیال چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور بولا:

"مسعود، کیا تم مسز مسعود کو جانتے ہو؟ تم مسز مسعود کے شوہر کی حیثیت سے اپنے
رائض کامیابی سے انجام دے رہے ہو؟ کیا تم مسز مسعود کو جانتے ہو؟"

مسعود نے جواب دیا:

"یہ بڑا نامعقول سوال ہے اور تمھیں اس سوال کا جواب معلوم ہے"۔

"ہاں میں اِس سوال کا جواب جانتا ہوں، اور میں یہ جانتا ہوں کہ تم مسز مسعود کو
ہیں جانتے"۔

"تو اے شیکسپیر کے بچّے تو میری رہنمائی کر اور مجھے بتا کہ مسز مسعود کون ہے۔؟"

میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور بولا:

"مسز مسعود ایک آدم خور عورت ہے۔ اگر تمھارے انگلستان جانے سے پہلے مجھے یہ بات
علوم ہوتی تو میں کبھی اس کا نگراں بننے کی ذمّہ داری نہ لیتا"۔

وہ چُپ ہو گیا۔ اُس کی خاموشی کمرے کی خاموشی میں جذب ہو گئی۔ ہم کمرے کی خاموشی کا
یک حصّہ بن گئے۔ یہ خاموشی اس وقت بھی موجود تھی جب اُس نے دوسری گیم جیت کر میری پہلی
یم واپس کر دی اور ہم برابر ہو گئے۔ اس نے تیسری گیم کے لیے سکور بورڈ پر انڈیکیٹروں کو زیرو
ر لانے ہوئے کہا:

"یہ کماؤں کے آدم خوروں کا معمّہ میری سمجھ میں نہیں آیا، اچھا، اس کو چھوڑو، میں
س کو حل نہیں کر سکوں گا، ایک اور معمّہ ہے اس سے بھی مشکل اور عجیب تم نے ایک خط میں مجھے
کھا تھا: میں تمھاری فیملی کی دیکھ بھال کی ذمّہ داری مزید برداشت نہیں کر سکوں گا، بھائی کو

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

راہگیروں پر مجرمانہ حملوں کا مرض ہو گیا ہے۔ اُو گدھے کے سینگ! یہ کیا بکواس ہے؟ کیا تم
کسی ایک راہگیر کی مثال دے سکتے ہو جس پر میری بیوی نے مجرمانہ حملہ کیا ہو؟"

میں نے جواب دیا۔

"مجھ پر۔"

"تجھ پر۔ او گدھے کے سر تجھے میری بیوی نے ریپ کرنے کی کوشش کی، تو نے کبھی
اپنی شکل آئینے میں دیکھی ہے؟"

"ہاں، اس رات کو تمہارے بیڈروم میں، تمہارے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں میری
شکل بڑی مکروہ نظر آرہی تھی۔ میں حیران تھا بھابی کو کیا ہو گیا ہے۔ اُس نے میری ٹائی پکڑ لی
وہ مجھے ٹائی سے پکڑ کر تمہارے خالی بیڈ کی طرف کھینچ رہی تھی اور میں دروازے کی طرف جانے
کی کوشش کر رہا تھا، میں دبی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا، بھابی، مسعود میرا دوست ہے
تم میری بھابی ہو، تم میری بہن ہو۔ پھر اچانک ٹائی پھسل کر بھابی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، بھا
بستر پر جا گری، میں دروازے سے باہر نکل کر بھاگا۔ دوسرے دن اُس نے تمہیں خط لکھ
کہ میں نگراں کی حیثیت سے اپنے فرائض کامیابی سے انجام نہیں دے رہا ہوں اور مجھے ٹیلی فون
کیا۔ کل تم نے میری بڑی توہین کی ہے۔ میں انتقام لوں گی۔ اس نے انتقام لیا۔ سول سرج
امین چشتی نے جس کو لوگ ہاتھ کی لکیروں کا ماہر ہونے کی وجہ سے پروفیسر چشتی کہتے ہیں
اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں، اور پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا بھابی سول سرج
کے ہسپتال میں اپنڈیسائٹس کے اوپریشن کے لیے دس دن تک داخل رہی۔ اپنڈیسائٹس
کا اوپریشن ایک بہانہ تھا۔ اصلی وجہ کچھ اور تھی۔ ہسپتال سے باہر آکر بھابی مجرمانہ حملوں
کی مریض ہو گئی۔"

مسعود پر گہری خاموشی چھا گئی۔

بہت دیر کے بعد مسعود نے خاموشی کا طلسم توڑا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"اب تم یہ جاننا چاہتے ہوگے کہ میں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس
سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ میں اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں، میں نے خود تمھاری بھابی
و اس کی اجازت دی تھی۔"

میں حیران ہوگیا۔

"تم نے خود اس کو اجازت دی تھی؟"

"ہاں، میرے انگلستان جانے سے کچھ عرصہ پہلے اس نے مجھے کہا۔ میں جانتی ہوں انگلستان
ں عورتوں کے چنگل سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ میں آپ کو اچھا وقت گزارنے کے لیے سب کچھ کرنے
ی اجازت دیتی ہوں۔ صرف آپ سے یہ وعدہ چاہتی ہوں کہ وہاں سے کوئی میم نہ لے کر آئیں۔
ں نے اس کی فراخ دلی کے ردِ عمل میں اس سے کہا: میں جانتا ہوں تمہیں میرے بغیر ایک رات
ارنا بھی مشکل ہے، خدا جانے تمھارا ایک سال کیسے گزرے گا۔ اگر تمھیں میری یاد بہت
تانے لگے اور تمھیں راتوں کو نیند نہ آئے تو تم میرے خالی بستر پر کسی کو سونے کی اجازت دے
کتی ہو۔ اخلاق کی قدریں بدلتی رہتی ہیں۔ میری بیوی اور میرے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا،
ہ ٹولرنیشن کی آخری سرحد ہے، جو شاید ہماری تہذیب میں کبھی داخل ہوسکے۔ اور تم نے
خلاق کے جس بلند معیار کا مظاہرہ کیا ہے وہ اپنی جگہ پر بہت تعریف کے قابل ہے۔ لیکن
اید کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ تم اس کا مطالبہ پورا کردیتے اور اس کو بھنور سے بچا لیتے جس میں
ہ غرق ہوتی جارہی ہے۔"

اس کے بعد یکایک ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

بلیرڈ روم کے مغربی شیشے کی دیوار پر ایک پتھر ٹکرایا اور شیشے تڑاخ تڑاخ فرش
ر گرنے لگے۔

مسعود گھبرا گیا۔ اس نے اپنا کیو ٹیبل پر پھینک دیا اور دروازے کی طرف بھاگا۔
"معلوم ہوتا ہے کلب میں بلوہ ہوگیا ہے۔ تمھاری بھابی ڈر جائے گی۔ میں جا رہا ہوں۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

مسعود ایک دروازے سے نکل کر مین بلڈنگ کی طرف بھاگ گیا۔

دو اور پتھر شیشے کی دیوار سے ٹکرائے۔ تڑاخ تڑاخ تڑاخ فرش پر شیشوں کا ڈھیر لگ گیا۔

میں اکیلا بلیرڈ روم میں کھڑا ہوا یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پتھر کدھر سے آرہے ہیں۔ باہر سوئمنگ پول کے کنارے ٹیوب لائٹوں کی روشنی تھی۔ بانس کے پودوں اور انگور کی بیلوں میں سیمنٹ کے بنچوں کے پاس بجلی کے تیز قمقمے جل رہے تھے۔ درختوں اور پھولدار جنگلی جھاڑیوں میں فیری لائٹس جھلملا رہی تھیں۔

پتھروں کی ایک اور بوچھار نے شیشے کی ساری دیوار چکنا چور کر دی۔ اب شیشے کی دیوار کے چاروں دروازے استعمال کے قابل نہیں رہے تھے۔ اب میں صرف سوئمنگ پول کی طرف باہر نکل سکتا تھا۔ میں شیشے کے ٹکڑوں سے بچتا ہوا اندرونی دروازہ کھول کر سوئمنگ پول کی پویلین میں آیا اور کلوک روموں اور باتھ روموں کے پاس سے گزرتا ہوا باہر سوئمنگ پول کے سامنے انگور کی بیلوں کی جالی میں نکل آیا، وہاں سے نکل کر میں بانس کے پودوں کی طرف چل پڑا۔ بانس کے پودوں میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سیمنٹ کے بنچ تھے جو نئے شادی شدہ جوڑوں اور کورٹ شپ کرنے والے لڑکوں کے لیے بنائے گئے تھے۔ میں ان بنچوں میں سے ہوتا ہوا کلب کی مین بلڈنگ کی طرف جا رہا تھا۔

جب میں بانسوں کے قدرے لمبے اور گھنے پتوں میں چھپے ہوئے ایک بنچ کے پاس پہنچا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔

بنچ پر ایک لڑکی کی لاش پڑی تھی، سترہ اٹھارہ سال کی جوان لڑکی کی لاش، وہ بالکل ننگی تھی، اس کے پھٹے پرانے کپڑے بنچ کے پاس پڑے تھے۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے اوپر رومال باندھ دیا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ اس کی دونوں ٹانگیں بنچ کی دونوں طرف لٹک رہی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی دونوں رانوں پر تھے اور

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

بیچ کے درمیان ہلکے سبز موزیک پر خون جما ہوا تھا۔

میں جلدی جلدی کلب کی مین بلڈنگ کی طرف بڑھا۔

مین بلڈنگ کی دوسری طرف کلب کے ان حصّوں میں جو لکڑی کے بنے ہوئے تھے آگ لگی ہوئی تھی، کلب کے فرنٹ کے دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور پڑے تھے۔ بہت سی کاریں جو کلب سے کچھ فاصلے پر پارک تھیں، شعلے بلند ہو رہے تھے، کلب کے سامنے سڑک پر کچے مکانوں اور جھونپڑیوں سے آکر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ اور شور مچا رہے تھے۔

"ہماری لڑکی کہاں ہے؟"۔۔۔ "ہماری لڑکی واپس کرو"۔۔۔ کلب کا سکریٹری دور سے ایک بلند مقام پر کھڑا ہوا انھیں کہہ رہا تھا:

"یہاں کوئی لڑکی نہیں، یہاں کوئی لڑکی نہیں آئی۔ آپ اپنے گھروں کو جائیے، ہم نے پولیس کو رپورٹ کر دی ہے۔ آپ پولیس کے آنے سے پہلے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔"

پولیس کی چار مسلح لاریاں کنسٹیبلوں سے بھری ہوئی آکر کلب کے سامنے رکیں۔ پولیس کنسٹیبلوں نے اپنی رائفلوں کے ساتھ کلب کے چاروں طرف پوزیشنیں لے لیں۔ اور فائر بریگیڈ کے انجن آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے۔

اور میں گورننگ باڈی کے ممبروں سے گفت و شنید کرنے کے لیے کلب کے آفس کی طرف چلا گیا۔

اپنے مذہبی معلومات میں اضافہ کیجیے

ہم نے انجیل مقدس کی روشنی میں مذہب کے بارے میں چند ایسے اسباق تیار کئے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کے مذہبی معلومات میں حیرت انگیز اضافہ ہوگا اور آپ کو ایک خوب صورت سند دی جائے گی۔ آج ہی مندرجہ ذیل پتہ پر خط لکھ کر مفت حاصل کریں

پتہ:- زندگی کا نور۔ پوسٹ بکس ۱۲۵۔ حیدرآباد۔ اے۔ پی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

جیلانی بانو

پرایا گھر

تمام گھر ایک جیسے ہیں، کہیں میں کسی اور گھر میں نہ پہنچ جاؤں!

جب وہ مجھے ہاسپٹل سے گھر لیے جا رہے تھے تو میں بار بار یہی سوچ رہا تھا۔

ہسپتال کے ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ کار کے حادثے میں مجھے شدید چوٹ آئی تھی؛ مگر وہ سب جھوٹے ہیں، اگر مجھے چوٹ لگی تھی، تو اس کا احساس کیوں نہ ہوا۔

وہ سب مجھے بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھتے تھے اور ہر وقت میرے بستر کے پاس پہرہ دیتے رہتے تھے جیسے میں اٹھ کر کہیں بھاگنے والا ہوں۔

اور آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔

وہ لوگ مجھے جانے کس پرائے گھر میں چھوڑ گئے، جیسے ہی مجھے سب نے پکڑ کر بستر پر لٹایا، کوئی عورت زور زور سے چلّانے لگی۔

"ہائے یہ کیا ہو گیا۔ نہیں نہیں یہ میرا حامد نہیں ہو سکتا۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔"

اور پھر کسی بچّے نے پوچھا۔

"امّی! یہ چادر اوڑھے کون لیٹا ہے، ابّا کے پلنگ پر۔؟"

اب تو اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ میں غلطی سے کسی اور کے گھر میں آ گیا ہوں۔"

مجھے ہمیشہ سے اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ اگر میں بھول کر کسی اور کے گھر میں گھس

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

جاؤں تو کیا ہو گا ـــ کہیں گھر کے مرد نہ آجائیں ۔ چلو بھاگو۔ بھاگو۔ مگر لوگ مجھے چاروں طرف سے پکڑے بیٹھے ہیں۔

"چپ رہو ـــ چپ رہو بھابی ـــ" دوسرے کمرے میں کوئی مرد سب کو چپ کراتا پھر رہا ہے ـــ "تم لوگ اتنا شور مچاؤ گے تو وہ اور بھی پاگل ہو جائے گا۔ اب کسی طرح اسے بہلاؤ۔ تاکہ اس کا جی گھر میں لگے۔"

بہلاؤ ـــ بہلاؤ کیا معنی ـــ! یعنی میں اپنا گھر چھوڑ کے اس گھر میں رہ پڑوں! آخر یہ ہے کون بزدل جو اپنے بیوی بچوں کو خود نہیں پال سکتا اور مجھے زبردستی اپنے پلنگ پر سلا رہا ہے ـــ ہو نہ ہو یہ سب لٹیرے ہیں، مجھے لوٹنا چاہتے ہیں ـــ میری کنجیاں کہاں گئیں ـــ! میری کنجیاں دے دو۔

اُفوہ ـ جانے کس احمق کا گھر ہے کہ روشنی کا کمرہ میں نام بھی نہیں ہے۔

آج ابھی تک سورج کیوں نہیں نکلا ۔ کہیں اسے بھی کسی اور گھر میں قید نہ کر دیا ہو۔ یا شاید اب رات ہو۔ مگر رات آئی کدھر سے ـــ؟ رات ہوتی تو چاند تارے چھت پر نکلتے ـــ چندا ماموں دور کے ـ چندا ماموں کا۔ آؤ آؤ ـ کون آیا ہے ـــ؟ کیا سورج صاحب آگئے! ہاں سورج کو اب آجانا چاہیئے ـــ اگر کسی دن صبح ہو جائے اور سورج نہ نکلے تو کیا غضب ہو ـــ پھر میں تو نہ شیو کر سکوں گا نہ چائے پی سکوں گا۔ بھلا اس اندھیرے کمرے میں کوئی شیو کر سکتا ہے! کہیں اپنی گردن ہی نہ کاٹ لوں۔ ہسپتال کا ڈاکٹر کہتا تھا کہ اب کبھی اپنے ہاتھ سے شیو مت کرنا ـــ کیوں ـــ کیا وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کار کے حادثے میں میرے ہاتھ بھی کٹ گئے ہیں!

اب شیو کا سامان بھی کیسے ملے گا! میری تو کنجیاں ہی کھو گئی ہیں۔ میری ہر چیز غائب ہے ـ ڈاکو میری ساری دولت لے بھاگے ہیں۔ اس گھر میں تو چوروں کی بستی آباد ہے ـــ وہ سب مجھے کیسے تعجب سے دیکھتے ہیں۔ آپس میں کانا پھوسی کرتے ہیں ـــ اور وہ کھانا لے کر آنے والا فضلو

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

تو مجھے دیکھ کر زور زور سے ہنستا ہے۔ بدتمیز۔ جاہل گنوار۔

شاید وہ سب بیچارے کسی حادثے میں پاگل ہو گئے ہیں۔ مثلاً کہیں کار میں جا رہے ہوں گے کہ اچانک ۔ افوہ ۔ میرے سر میں کیسا شدید درد ہو رہا ہے۔ یقیناً کسی نے میرے سر پہ پتھر مارا ہے ۔ جی چاہتا ہے میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دوں۔ سب کو مار مار کے بھُرکس نکال دوں۔ مگر اس وقت تو اپنے نرم گرم بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ اور پھر اس آدمی سے بھی ڈر لگ رہا ہے جو دروازے کے اوپر ایک چھوٹی سی کھڑکی میں بیٹھا ہر وقت جھانکتا رہتا ہے۔ میری طرف بڑی طنز بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ کیوں۔ کیسے پکڑے گئے ۔؟

"جاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے چھوڑ دو ۔" میرے چیخنے کی آواز سن کر ایک موٹی سی تھل تھل عورت اندر آتی ہے۔ اس عورت کا نام نموّ ہے۔

(مجھے جانے کیسے یہ بات معلوم ہو گئی ہے؟) وہ یہ ڈھونگ رچائے ہوئے ہے کہ میں اس کا شوہر ہوں۔ یہ بھی خوب رہی ۔ اتنی قابل نفرت، بدشکل اور بھدی عورت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ میں اس سے صاف صاف کہہ چکا ہوں کہ فی الحال تو میں تمھیں جوتے سے بھی چھونے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود وہ کئی کئی بار کمرے میں آ کر مجھے ڈانٹتی ہے۔ چپ چاپ۔ لیٹے رہنے کا حکم دیتی ہے۔ اس بات سے مجھے کچھ شبہہ ہوتا ہے کہ وہ یقیناً اگلے جنم میں کسی نہ کسی مجھ جیسے مظلوم انسان کی بیوی ضرور رہی ہو گی۔

اس وقت بھی وہ اندر آ کر پوچھتی ہے۔

"کون آیا ہے۔ آپ کسے ڈانٹ رہے ہیں۔؟"

"یہ آدمی! آخر یہ چوبیس گھنٹے مجھے کیوں گھورے جاتا ہے ۔" میں ہاتھ اٹھا کر کھڑکی میں بیٹھے اس آدمی کو ٹھینگا دکھاتا ہوں۔

"یا اللہ۔! میرے اوپر رحم کر ۔" نموّ اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کے کہتی ہے۔

"وہ بھی کوئی آدمی ہے۔ جس سے آپ ڈر رہے ہیں۔ وہ تو آپ ہی کا فوٹو ہے۔ کیا آپ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اپنے آپ کو بھی بھول گئے۔؟"

نہیں ـــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی میں ہوں۔ اگر وہ آدمی "میں" ہوں تو پھر "میں"، کون ہوں! ہم دونوں میں سے اصل "میں" کون ہے! یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ اگر کسی کو معلوم ہو گیا کہ اصل "میں" کوئی اور ہے تو کیا ہو گا؟ اب مجھے جلدی سے کہیں چھپ جانا چاہیے۔ میری رضائی کہاں گئی ـــــ اب چاہے مجھے کوئی کتنا ہی پکارے میں ہرگز جواب نہیں دوں گا۔

دوسرے کمرے میں کوئی بار بار میرا نام لے کر کچھ کہہ رہا ہے۔

"وہ پاگل نہیں ہوا ہے۔ تم لوگ اس کا علاج نہیں کرواتے۔ کیونکہ تم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا کہ وہ پھر صحت مند ہو کر تمھاری گردن پر سوار ہو جائے ـــــ"

اتنی جائیداد ـــــ بنک بیلنس ـــــ سات سو روپئے پنشن ـــــ

یہ آدمی یقیناً ممو کا شوہر ممکن ہے اب پاگل ہو گیا ہو۔ یا پھر وہ سب مل کر مجھے پاگل بنانے کی سازش کر رہے ہیں۔ مجھے دو ٹکڑوں میں بانٹ کر اوپر لٹکا دیا گیا ہے۔" یہ لوگ مجھے ہسپتال سے اغوا کر کے لائے ہیں ـــــ"

کون ہے ـــ کون میری رضائی کھینچ رہا ہے ـــــ میں یہاں نہیں ہوں۔ میں تو اوپر کھڑکی سے جھانک رہا ہوں ـــ

اچھا ممو پھر میرے پاس آئی ہے۔ اس کے ہاتھ میں انگوروں سے بھری ایک پلیٹ ہے اور ساتھ میں چند تماشائی بھی ہیں، جنھیں وہ میرا تماشہ دکھانے لائی ہے۔

وہ بڑی محبت سے انگور میرے منہ میں رکھ کر کہتی ہے۔

"حامد ـــ ذرا ہوش میں آئیے۔ دیکھئے آپ کی چچی اماں آئی ہیں۔ نشاط اور اختر آئے ہیں۔ کیا آپ انھیں بھی بھول گئے؟"

"کہیے کیسے مزاج ہیں؟" ایک صاحب میرے قریب بیٹھ کر پوچھتے ہیں۔

"اچھا اچھا، میں سمجھ گیا۔" میں اس آدمی کو پہچان کر کہتا ہوں۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"تم ہسپتال والے ہو۔ مجھے انجکشن دینے آئے ہو؟" میں جلدی سے اُٹھ کر اپنے بچاؤ کے لیے گلدان ہاتھ میں اُٹھا لیتا ہوں۔

"چلے جاؤ ـــــ یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ سب کے مزاج بحال کر دوں گا۔"

پھر مَیں روتی ہوئی نمّو کے بھی ایک لات جما کر کہتا ہوں۔

"بس کرو ایکٹنگ۔ میں مداری کا بندر نہیں ہوں تم جس کا تماشہ سب کو دکھاتی ہو۔ کہو تو ابھی سب کے سامنے تمہارا بھی تماشہ شروع کر دوں۔"

اب تو اس گھر سے بھاگنا ہی پڑے گا۔ واہ کیا مزہ آئے گا۔ جب کسی دن یہ لوگ مجھے اس بستر پر نہ پائیں گے، اور چلا چلا کے میری جائداد اور پنشن کے لیے روئیں گے۔

مگر اس دوسرے "میں" نے تو سارا معاملہ ہی چوپٹ کر دیا ہے۔ وہ کم بخت ہر وقت میری نگرانی کرتا ہے۔ میں آخر کیوں دو حصّوں میں ٹوٹ گیا۔ ایسا ٹوٹا پھوٹا انسان کرے تو کیا کرے ـــــ؟

اس دن میرے کمرے میں دو بچّے بھیجے گئے۔

دس گیارہ برس کا ایک بے حد شکّی اور محتاط قسم کا لڑکا پپّو۔ وہ بار بار دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں پتھر تو نہیں ہے۔ اور ایک بے حد خوبصورت مُنّی سی بچّی چھوٹی سی گُڑیا جو چابی دینے سے چوں چوں بولتی ہے۔

"چوں چوں ـــــ آؤ آؤ ـــــ"

لیکن میرے بُلانے سے پہلے ہی وہ مجھ سے آ کر لپٹ گئی، اور پپّو کے منع کرنے کے باوجود اپنے سنہرے بال میرے سینے پر پھیلا کے کہنے لگی۔

"ابّا ابّا۔ آپ کو سر میں چوٹ کیسے لگی ـــــ ابّا ابّا، پپّو آپ سے ڈرتا ہے۔ ابّا ابّا آپ ہمیں تو نہیں ماریں گے نا" ـــــ پھر میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر آہستہ سے بولی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"ہمیں ایک چھوٹا سا پلین لادیجئے۔ اس میں بیٹھ کر اپن دور چلے جائیں گے۔
۔۔۔خوب دور ۔۔۔ اوں ۔ زوں ۔۔۔ زوں ۔۔۔"
اچانک ہم دونوں واقعی چھوٹے سے پلین میں بیٹھ کر اڑنے لگے۔
"ٹاٹا ۔۔۔ ٹاٹا ۔۔۔" چوں چوں ہاتھ ہلا کے نیچے رہ جانے والی ذلیل مخلوق سے کہتی ہے۔
"ٹاٹا ۔۔۔ ٹاٹا ۔۔۔" میں بھی ہاتھ ہلا کے اس اجنبی گھر کے لوگوں سے کہتا ہوں۔
"ٹھہریئے ۔۔۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
آخر ان کم بختوں نے مجھے پکڑ ہی لیا۔
"اتنی تیزی سے مت بھاگیے۔ آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔" نمّو پیچھے سے مجھے پکڑ لیتی ہے۔
"منّی اتر نیچے۔ اب ان کے کاندھے پر سوار ہونے کی عادت چھوڑ دے ۔۔۔ تیرے ابّا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔"
"چھوڑ دو ۔۔۔ ہمیں چھوڑ دو ۔ ہم پلین میں دلّی جا رہے ہیں۔ بہت دور جا رہے ہیں۔ ٹاٹا ۔ ٹاٹا۔"
لیکن منّی کو زبردستی اترنا پڑا۔ مجھے بھی مجبوراً اپنے کمرے میں آ کر لیٹنا پڑا۔
اب نمّو میرے پاس بیٹھ کر بڑے ناز سے کہتی ہے۔
"خدا کا شکر ہے آپ اپنے بچّوں کو نہیں بھولے۔"
پھر وہ چوں چوں کی طرح میرے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر میرے اور قریب آ جاتی ہے۔
"سچّی ۔۔۔ میں تو ڈر رہی گئی تھی کہ اگر آپ اپنے بچّوں کو بھول گئے، تو ہمارا کیا ہوگا۔"
"کیوں تمہارا کیا بگڑ گیا۔" میں اس سے دور ہٹ کر بیٹھ جاتا ہوں۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"اے واہ - میں کیا اب کمانے نکلتی! آپ کی پنشن آ رہی ہے تو گھر چل رہا ہے - اب اس تھوڑی سی جائداد کا سہارا ہی تو رہ گیا ہے - امتیاز کی ماں تو خوب عیش کر کے مر گئی - اب آپ نے مجھ سے بیاہ کیوں کیا تھا - میں ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر کہاں جاؤں -؟"

یہ عورت یقیناً پاگل ہے - ابھی رونا شروع کیا تھا کہ ابھی جھٹ سے ہنسنے لگی - اور ایک کاغذ میرے سامنے رکھ دیا -

"لو اس پر دستخط کر دو"

یہ کیا ہے -! میں غور سے دیکھتا ہوں کہ کہیں میری غلامی کی دستاویز تو نہیں ہے - شاید اس بات کا اقرار ہو کہ میں دو حصّوں میں بٹ گیا ہوں - ایک تو اوپر کھڑکی میں سے جھانک رہا ہوں - اور ایک یہاں ان ظالموں کے چنگل میں پھنسا بیٹھا ہوں -

"کیا دیکھ رہے ہیں - دستخط کر دیجئے نا" تمو یوں بے قرار ہے جیسے انگاروں پر کھڑی ہو" میں بڑے غور سے کاغذ دیکھتا ہوں — ایک ہزار — ایک ہزار ہندسے اُبھر اُبھر کر مِٹ رہے ہیں - اچھا تو یہ صرف پیسوں کی بات ہے !

میں جلدی سے دستخط کر دیتا ہوں -

"امّی ! اگر ابا دستخط کرنا بھی بھول جاتے تو کیا ہوتا !" ہمارے قریب کھڑا ہوا پپّو کہہ رہا ہے - پپّو کے قریب فضلو ہے - فضلو کے قریب شمّی — اور جانے کون امّی - ٹمّی ہیں گھیرے کھڑے ہیں -

"صاحب کلم پکڑنا بھول جاتے تو ساری دولت ہاتھ سے گئی تھی"

یہ بات سڑے سیتا پھل کے بیجوں جیسے دانتوں والے فضلو صاحب فرما رہے ہیں -

"تو چپ — چپ — چپ —" میں اچانک اُسے ڈانٹنا شروع کرتا ہوں - "بڑا آیا دولت کا تماشہ دیکھنے والا - اور تو مجھے ہر وقت دیکھ دیکھ کر کیوں ہنستا ہے بے — ! یہاں کوئی مداری کا تماشہ ہو رہا ہے - یا میرے سر پہ سینگ اُگ آئے ہیں!"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

میری بات سُن کر سب ہنس پڑتے ہیں۔ اور مجھے شک ہوتا ہے کہ واقعی میری صورت
میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ یا پھر یہ بات ہر شخص کو معلوم ہو چکی ہے کہ میں آدھا وہاں کھڑکی
میں ہوں، جبھی تو سب مجھے اتنے غور سے دیکھتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کھڑکی میں بیٹھا ہوا میں بھی
اپنے آپ کو بڑی حیران نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔ نہیں۔ اب یہ اول جلول حرکتیں چھوڑ دینا
چاہیئے۔ کل جب میں ایک مکھی کو مارنے سارے گھر میں لکڑی لیے پھر رہا تھا تو بہت سے بلب
ٹوٹ گئے تھے۔ شیشے کی الماری اوندھی ہو گئی۔ اور تمو کہنے لگی سب لوگ میرا تماشہ دیکھ رہے
ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے شہر کے سینما ہال بند ہو چکے ہیں۔ جبھی تو لوگ تماشہ دیکھنے
اس گھر میں آجاتے ہیں۔ بلکہ تماشہ کرنے بھی ــــ کل دوپہر میں یہاں ڈائننگ ہال میں میٹنی
شو چل رہا تھا۔ وہی خوبصورت سی لڑکی شمی ہیروئن تھی، اور ایک لمبا سا کالا نوجوان ہیرو تھا۔
وہ لوگ بڑے رومانی موڈ میں تھے۔ یہ چوری ہے ــــ صریحاً چوری ــــ میں نے سوچا کہ یہ
منظر تو ہر ہندوستانی پکچر میں دیکھ چکا ہوں۔ بس اب گانا شروع ہوگا ــــ تو میرا چاند ــــ
میں تیری چاندنی ــــ اگر واقعی گانا شروع ہو گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

"بند کرو ــــ خدا کے لیے بند کرو یہ سین"

میں چلّایا تو انھوں نے ڈر کے مارے سچ مچ اس سین کو ادھورا چھوڑ دیا۔

ہیرو تو قلانچیں بھرتا ہوا باہر بھاگا۔ اور ہیروئن آکر میرے قدموں سے لپٹ گئی۔

"ابّا۔ ابّا مجھے معاف کیجئے" وہ رو رہی تھی جھوٹ موٹ کے آنسو۔

"اور مجھے بھی معاف کیجئے" میں نے اس کے ہاتھ جھٹک کر بالکل کسی ہیروئن کے باپ
کے انداز میں جواب دیا۔

"میں آپ کے ایسے فضول ڈرامے میں کوئی پارٹ نہیں کر سکتا"

اتنے میں کہیں سے چوں چوں آگئی۔

آج اس کی گود میں کاغذ کی بہت سی کترنیں تھیں۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"جلدی لیجئے ابا۔ ننّنے بہت سے رُوپے لائی ہوں۔" اُس نے میری گود میں کاغذ ڈالے تو وہ سچ مچ کے ننھے منّے نوٹ بن گئے۔

"اب اس نوٹ کا کیک لائیں گے —— اور اس نوٹ کا بلین —— اور اس نوٹ کا ابا کے لیے سگریٹ —— اور اس نوٹ کا ——" وہ ایک ایک نوٹ اُٹھا کر بڑی گرہستنوں کے انداز میں اپنی گود میں رکھتی جاتی ہے۔

"اور اس نوٹ کے ابا ——"

"ہٹ پاگل" پپّو کہتا ہے۔ "کہیں نوٹ سے ابا خریدے جاتے ہیں۔؟"

"آں ہاں —— خریدے جاتے ہیں۔" چوں چوں بڑے وثوق کے ساتھ کہتی ہے۔

"کیوں ابا آپ نے ہم سب کو ایک نوٹ سے خریدا ہے نا —— ؟"

"ہاں اور کیا تم سب کو میں نے خریدا ہے۔ تم سب میرے غلام ہو۔ سب میرے حکم پر یہاں کھڑے ہو جاؤ۔"

"پپّو تو اُلو کا پٹھا ہے۔" منّی کہتی ہے۔

"امی کہتی ہیں روپے ہوں تو ہر چیز خرید سکتے ہیں۔"

تو پھر میں کیوں نہ اس دوسرے "میں" کو خرید لوں۔ میں سوچتا ہوں۔ اور منّی سے سب روپے چھین کر اپنی گود میں چھپا لیتا ہوں۔

"جاؤ بھاگ جاؤ۔ یہ سب روپے میرے ہیں۔"

"نہیں میرے ہیں ——" منّی رونے لگتی ہے۔ "میرے روپے ابا نے لیے۔ دے دیجیے۔"

"ان کاغذوں کا آپ کیا کریں گے! منّی کو دے دیجیے نا۔" اس کی آواز سن کر نیتو اندر آگئی۔

"میں ان روپوں سے ایک "میں" خریدوں گا۔ تم جانتی ہو میں ہمیشہ ادھورا رہوں۔ دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا رہوں۔؟"

"اللہ خیر" نیتو میری ڈانٹ سُن کر سہم جاتی ہے۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"جاؤ بچو، تم باہر کھیلو۔ تمھارے ابّا کو پھر دورہ پڑنے والا ہے۔"
وہ مجھے کمرے میں بند کر کے چلی جاتی ہے۔
آج اخبار میں خبر آئی ہے کہ رابرٹ کینیڈی کو کسی نے گولی مار کے ہلاک کر دیا۔
میں بھی اپنے سب دشمنوں کو فائر کر دینا چاہتا ہوں۔ لیکن میرا پستول تو کینیڈی کا
قاتل اُدھار لے گیا ہے۔ ورنہ میں اس دُنیا میں اتنے وحشی اور نکمّے لوگوں کو رہنے دیتا۔؟
خصوصاً نمّو ___ فضلو اور امتیاز ___ ان تینوں کو ضرور شوٹ کر دینا چاہیے۔
پھر دیکھنا اس دن سورج کیسا چمکیلا نکلے گا۔ لوگ کتنا ہنسیں گے۔
ٹھائیں ___ ٹھائیں ___ ٹھائیں ___ میں اپنے ہاتھوں کی بندوق بنا کر نشانہ بازی
کی مشق شروع کر دیتا ہوں۔ لوگ میرے نشانہ کی زد میں آ کر دھڑا دھڑ گر رہے ہیں۔ نمّو۔
فضلو ___ اور ہاسپٹل کا وہ سور کی صورت ڈاکٹر جس نے مجھے زبردستی اس پرائے گھر میں
بھجوایا ___ اور پنشن آفس کا وہ کلرک جو مجھے ہر مہینے دیکھ کر مسکرایا کرتا ہے۔ سب مر گئے۔
چلو اب خوب موج اُڑاؤ ___ کباب کھاؤ ___
آج مجھے کتنی بھوک لگ رہی ہے۔ گذشتہ ایک برس سے میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔
آج میں کباب کھاؤں گا۔ خوب مرچ مسالے والے چٹ پٹے۔ اور اگر کباب نہ ملے تو امتیاز
کو بھون کر کھا جاؤں گا۔

"کباب لاؤ ___ جلدی ___ کباب وانٹیڈ ___"
مگر کبابوں کی بجائے پھر امتیاز آ گیا۔

یہ لڑکا بھی اسی گھر کا ایک فرد ہے۔ اور اُن کی والدۂ محترمہ بار بار یہ جتاتی رہتی ہیں کہ
یہ ناخلف صاحبزادے بھی میری ہی اولاد ہیں۔ لاحول ولا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اگلے جنم
میں بھی ہم ایک دوسرے کے دشمن ہی تھے۔ کیونکہ اب بھی امتیاز کی نظروں میں میرے لیے بڑی
حقارت اور نفرت بھری رہتی ہے۔ اور جب بھی میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو بے اختیار مُنہ سے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

نکل جاتا ہے ۔۔۔ " اچھا تمھیں سمجھوں گا بیٹا !"

پتہ نہیں یہ لڑکا کس کی دولت پر اکڑتا پھرتا ہے۔ سگریٹ کا دھواں میرے مُنہ پر چھوڑ
ہوا گزر جاتا ہے۔ اور ہر وقت ماں بیٹے میں روپے پیسے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ رات ک
ایک دو بجے وہ نشے میں چور گھر لوٹتا ہے تو شاید یہ سمجھتا ہوگا کہ میں الکُحل کی بدبو کو نہیں پہچا
سکتا۔ مجھے تو اس کی ماں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنے آوارہ نکمّے لڑکے کو میرا بیٹ
بنانے کی جرأت اس نے کیسے کی :

مَیں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے امتیاز ک
مُنہ پر اتنے طمانچے ماروں کہ اسے اپنا سچ مچ کا باپ یاد آجائے، مگر اس کے ہٹے کٹے بدن سے ڈ
لگتا ہے۔ جانے کون بدنصیب باپ ہوگا؛ جس کی قسمت میں ایسی اولاد لکھی تھی۔

آج بھی اس نے آتے ہی مجھے حکم دیا۔

" جلدی سے تیّار ہو جائیے۔ آج ۷ تاریخ ہے۔ پنشن لانے میرے ساتھ چلنا ہے"۔

مجھے باہر جانے اور پنشن لانے سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اس دن ہم خوب بازاروں کی س
کرتے ہیں۔ جب میں اپنی پنشن کے اتنے بہت سے روپے اپنی جیب میں رکھنا چاہتا ہوں تو امت
مجھے اُن پیسوں کی قلفی ملائی لا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے گھر چھوڑ کے کہیں چلا جاتا ہے
اس کی ماں خوب چیخ و پکار کرتی ہے۔ اس لیے اکثر ۷ تاریخ کو مجھے لوگ ادھر سے اُدھر گھسیٹتے پھ
ہیں۔ نجو کہتی ہے میں اس کا ہوں اس لیے وہ مجھے پنشن لانے اپنے ساتھ لے جائے گی۔ امتی
کہتا ہے مجھ پر صرف اسی کا حق ہے۔ اس لیے اپنے ساتھ مجھے لے کر جائے گا۔ مگر آج میں امتی
کو جلانے کے لیے اس کی بات اَن سُنی کر دیتا ہوں۔

" میرے کباب کہاں ہیں۔ جلدی لاؤ مجھے بھوک لگی ہے "۔

" آپ کپڑے تو بدل لیجئے "۔ وہ بڑی محبت سے کہتا ہے۔ " آج آپ کی ساری پنشن ک
آپ کو کباب کھلا دوں گا "۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

آج امتیاز مجھ پر کتنا مہربان ہے۔ آج مجھے نہ تو وہ بار بار ڈانٹتا ہے۔ نہ دھکے
دے کر کپڑے پہننے پر مجبور کرتا ہے۔

یا اللہ —— کباب کتنے مہنگے ہو گئے ہیں، سات سو روپے میں ایک پلیٹ کباب۔!
ہٹاؤ۔ آج میں کباب بھی نہیں کھاتا۔ امتیاز کے ساتھ بازار کی سیر بھی نہیں کروں گا۔ آخر میں
کیوں جاؤں پنشن لانے! ابھی اگر رضائی تان کر سو جاؤں تو کبھی آنکھ نہ کھلے۔ بس آج
ہی فیصلہ کیا ہے ماہدولت نے کپڑے بدل کر کہیں جانا تو ایک آفت ہے۔ سارا گھر اکٹھا
ہو جاتا ہے۔ کوئی شیو کروا رہا ہے۔ کوئی منہ دھلا رہا ہے۔ اس دن امتیاز خود استری
کر کے مجھے کپڑے پہناتا ہے کہ لوگ مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔!

لوگ —— لوگ —— جانے وہ کون لوگ ہیں جن سے اس گھر کے رہنے والے اتنا ڈرتے
ہیں۔ کہیں مجھے وہ لوگ مل جائیں تو اس گھر کا سارا کچا چٹھا سنا ڈالوں —— یہ تک
سنا دوں کہ پرسوں ممّی کی غیر موجودگی میں دوسری چابی لگا کر امتیاز نے الماری میں سے کئی
زیور نکال لیے ہیں۔ اور شمی عنقریب اس کالے بھجنگ نوجوان کے ساتھ گھر کی دولت سمیت
فرار ہونے والی ہے۔ میں دن بھر پردے کے پیچھے سے جھانک جھانک کر سب دیکھتا رہتا
ہوں۔ ایک دن چھوٹو دیگچی میں سے بوٹیاں چن چن کر کھا رہا تھا۔ میں نے اچانک اُسے ڈرایا
تو سب کو سخت حیرانی ہوئی کہ آخر میں ڈائننگ ہال میں کیسے پہنچا اور کب سے وہاں چھپا کھڑا تھا۔

اور یہ فضلو تو اتنا چالاک ہے کہ کیا کہوں! میرے لیے کھانا لا کر تپائی پر رکھتا ہے۔
اور خود ہی کھانے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد ایک دن میں نے دروازے سے
کان لگا کر سُنا۔ وہ ممّو سے کہہ رہا تھا کہ صاحب کو کھانا کھلا دیا ہے۔

"نہیں نہیں۔ میں نے کھانا نہیں کھایا۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ جلدی کھانا دو"
میں نے کھانے کے کمرے میں جا کر کہا۔

"یہ ایک اور مصیبت ہے۔" ممّو شمی سے کہنے لگی "ابھی فضلو نے کھانا کھلایا ہے اور

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

پھر بھوک لگی ہے۔

"زیادہ کھانے سے آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی نا۔ جائیے آرام کیجیے" شمی مجھے کمرے کی طرف ڈھکیلنے لگی۔

"نہیں مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ فضلو سے پوچھو میں نے کھانا نہیں کھایا ہے"۔

مگر فضلو جواب دینے کی بجائے نموّ کی طرف دیکھ کر ہنس رہا ہے۔

"مگر آپ یہاں کیوں آ گئے۔ بیئر گندی کر دیں گے۔ جائیے میں آپ کے کمرے میں کھانا ابھی بھجواتی ہوں" نموّ نے مجھے کمرے میں ڈھکیل کر باہر سے کنڈی لگا دی ہے۔

"میرے ابا کو مت مارو ــــ مت مارو ــــ" چوں چوں باہر چلا رہی ہے۔ رو رہی ہے۔

"چپ ــ چپ ــ بڑی آئی ابا کی بیٹی" نموّ چوں چوں کو بھی مار رہی ہے۔

"دروازہ کھولو ــــ دروازہ کھولو ــــ" میں نے زور زور سے کواڑوں پر اپنا سر مارنا شروع کر دیا تو دروازہ کھل گیا۔

"کیا چوں چوں کو مار ڈالا ۔؟" میں نے اپنے ماتھے پر سے بہتا ہوا خون پونچھ کر دیکھا تو وہ ایک کونے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف باہیں پھیلا کر دوڑتے ہیں۔

نموّ نے مجھے کمرے میں بٹھانے کی ایک اور ترکیب نکالی۔

وہ طرح طرح کے لوگوں کو میرے پاس لاتی ہے کہ میں اُن سے باتیں کر کے اپنا جی بہلاؤں۔ پرسوں ایک پاگل صاحب تشریف لائے۔ نقلی داڑھی لگا کر آئے تھے۔ وہ بار بار ہوا میں اُڑتی تو گھبرا کے یوں پکڑنے جیسے بھید کھلنے کا ڈر ہو۔ مجھے دیکھتے ہی یوں گلے سے لپٹ گئے، جیسے برسوں پرانی دوستی ہو۔

"کہو یار کیسے ہو ــــ طبیعت اب ٹھیک رہتی ہے"۔ انھوں نے پوچھا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"ہاں، تم اپنی سناؤ ـــــ یہ نقلی داڑھی کیسے ہو ـــــ؟"
وہ میری بات سن کر پیچھے کو ہٹے۔ لیکن میں انھیں پکڑ کے بٹھا لیتا ہوں "کیا ہرج ہے اگر کچھ وقت کسی پاگل کے ساتھ ضائع ہو جائے۔"
اب وہ مجھ سے بہت دور ہٹ کر ایک اسٹول پر بیٹھ گئے۔

"کئی بار ارادہ کیا تمھیں دیکھ آؤں۔ مگر ڈر ہی لگتا تھا کہ جانے تم مجھے پہچانو گے یا نہیں۔" وہ اپنی داڑھی سہلا کے بولے۔

"ہاں، اب تم بیچارے اپنی دماغی بیماری سے بدل جو گئے ہو۔" میں نے جواب دیا۔
"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔" وہ جانے کیوں میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ کہتے ہیں پاگل ہمیشہ دوسروں کو پاگل سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بڑھئی بھی مجھ ہی کو پاگل سمجھ رہے ہوں۔
"یار، مجھے تمھاری بیماری کا بہت دکھ ہے کیا کریں! اللہ کی مرضی۔" وہ کہتے ہیں۔
"اور مجھے تمھاری اس نقلی داڑھی پر بے حد پیار آ رہا ہے۔ ایک دن کے لیے ہمیں اُدھار نہیں دو گے! ہم چوں چوں کے ساتھ ڈاکو ڈاکو والا کھیل کھیلیں گے۔"
لیکن وہ میری بات سن کر دروازے کی طرف جانے لگتے ہیں اور پھر رک کر فرماتے ہیں۔ "یار کچھ سمجھداری کی باتیں بھی کرو۔ سنا ہے بھابی نے تمھارا علاج معالجہ کچھ نہیں کروایا۔ کیا تم اپنی ساری پنشن بھی ان ہی لوگوں کے حوالے کر دیتے ہو یا کچھ اپنے لئے بھی رکھتے ہو۔؟"
پھر وہی پنشن کی بات! ایسا لگتا ہے جیسے میرا دوسرا "میں" بھی کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اور یہ 'میں' جو ہوں ـــ یہ ایک پنشن کا نام ہے۔ ہر شخص مجھے یوں دیکھتا ہے جیسے میں آدمی نہیں رہا، پنشن بن گیا ہوں۔ جسے دیکھو اسی کا ذکر۔ اسی کی بات۔ جی چاہتا ہے اس پنشن کو کسی طرح اپنے منہ پر سے نوچ پھینکوں۔ پتہ نہیں پھر میں اس گھر میں کسی کو نظر بھی آؤں گا یا نہیں!
مجھے کچھ یاد نہیں رہا کہ اس پاگل سے مجھے کب چھٹکارا ملا۔ فضلو کہہ رہا تھا کہ جب میں نے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

زبردستی داڑھی چھیننے کی کوشش کی تو وہ ڈر کے مارے بھاگ گیا۔

بھلا ایسے سرپھرے پاگلوں کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا ہے۔!

ایسا ہی ایک اور ہونق میرے کمرے میں آیا تھا۔ حسب توقع وہی میری اور اپنی پرانی دوستی کا ڈھونگ رچایا اور پرانے قصے سنانے لگا جو بالکل جھوٹے تھے۔ پھر میری آنکھ بچا کر میرا پارکر پین اپنی جیب میں ڈال لیا اور میرے سب سگریٹ پھونک ڈالے۔ پھر جاتے وقت میرے سر پہ احسان کا ایک چھپر رکھ گئے" کہ آجکل نجو کا دل بہلانے میں وقت صرف کرتے ہیں تاکہ میری بیماری سے اس کا دل بالکل ہی نہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ یہ انکشاف بھی فرمایا کہ ہسپتال سے اس اجنبی گھر میں لانے کے ذمہ دار بھی یہی حضرت تھے۔ اتنا سنتے ہی میں بے قابو ہو گیا۔

"اچھا تو تم ہی ہو جس نے مجھے اس پرائے گھر کی دوزخ میں ڈال دیا ہے۔ آخر مجھے ستانے میں تمھیں کیا مل گیا۔؟"

"ابھی نہیں ملا۔ مگر مل جائے گا" وہ مکاری سے مسکرایا۔

"یہ بات ہے تو میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔ ابھی تمھارے کچے چیتھڑے کھولتا ہوں۔" میں فوراً فون کا ڈائیل گھماتا ہوں۔ ہیلو۔ ہیلو۔

"میرا چھوٹا فون دے دیجیے۔" چوں چوں جلدی سے آکر اپنا چھوٹا سا سرخ ٹیلی فون مجھ سے چھین لیتی ہے۔ "لائیے میں کر دوں۔ آپ کس کو فون کریں گے؟"

"پولیس اسٹیشن۔ پولیس کو جلدی بلاؤ چوں چوں ورنہ مجرم فرار ہو جائیں گے۔" میں سخت پریشانی میں کہتا ہوں۔

"ہیلو" چوں چوں بڑی سنجیدگی سے فون کان سے لگا کر زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔

"جلدی آیئے۔ ابا کو سب ستا رہے ہیں۔ کھانا نہیں دیتے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں اس کھیل سے اکتا جاتے ہیں۔

"اب فون کا کھیل ختم۔ چلیے چلیے اب چور کو پکڑیں گے۔" اور پھر ہم دونوں سچ مچ چور کو تلاش کرنا شروع کر رہے ہیں۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"ہشت۔ آہستہ چلیے!" چوں چوں منہ پر انگلی رکھ کر کہتی ہے۔

اب ہم دونوں گھٹنوں کے بل رینگتے ہوئے پلنگوں کے نیچے گھسٹ رہے ہیں۔ اچانک میرا سر مسہری کے پائے سے ٹکراتا ہے اور آہٹ سن کر کوئی نیچے کودجاتا ہے۔

"چور۔ چور" میں چور کی ٹانگ پکڑ کے چلانے لگا" جلدی سے میرا پستول لاؤ۔ چور پکڑ لیا ہے"۔

"چور پکڑ لیا۔ چور پکڑ لیا" چوں چوں بھی زور زور سے تالیاں بجانے لگی۔

"انھیں چھوڑ دیجیے۔ چھوڑ دیجیے۔ بچے آجائیں گے۔ شور مت مچائیے" نجو مسہری پر سے اُٹھ کر کہہ رہی ہے۔ تب میں نے غور کیا کہ جس چور کو ہم نے پکڑا ہے۔ یہ وہی آدمی ہے جو ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ ہماری آواز سن کر سارا گھر کمرے میں اکٹھا ہو گیا۔ شمی، فضلو، پپّو، امتیاز۔ وہ سب بڑی حیرانی کے ساتھ کبھی مجھے دیکھتے ہیں اور کبھی اس آدمی کو۔ پھر سر جھکا کے کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔

عجیب بزدل لوگ ہیں۔ میں دل میں سوچتا ہوں۔ چور کو سزا دینے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے۔

نجو ساری رات اپنے کمرے میں بڑبڑاتی رہی۔

"نہیں وہ پاگل نہیں ہے۔ سب ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اپنے آپ کو بھول گیا۔ مگر میری نگرانی کرنا نہیں بھولتا"۔

ایک دن عجیب حادثہ ہوا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ رات ختم ہو گئی ہے۔ سب لوگ جاگ اُٹھے۔

میرے کمرے میں بھی اُجالا تو ہے۔ مگر دھوپ کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ کہیں رات وہ چور سورج کو تو چُرا کے نہیں لے گیا؟ مجھے بڑی تشویش ہونے لگی۔ پھر جب چوں چوں اپنا ٹیلی فون لے کر آئی تو میں نے اسے فوراً یہ دہشتناک خبر سُنائی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"رات چور سورج کو چرا کے لے گیا"

"کہاں لے گیا ۔؟" چوں چوں بھی سخت فکرمند ہو گئی ۔ اس گھر میں اس بچّی سے زیادہ سمجھدار اور کوئی نہ تھا ۔

"کیا پتہ ۔ دیکھو نا رات سے کیسا اندھیرا اندھیرا سا ہے ۔ اب میری تو سمجھو کُل دولت ہی لُٹ گئی ۔ سورج نہ رہا تو دن کیسے نکلے گا ۔ میں بستر سے کیسے اُٹھوں گا ۔؟"

میں غم کے مارے رونے لگا ۔ چوں چوں نے مجھے روتے دیکھ کر اپنے کھلونے پھینک دیے اور حسبِ عادت اپنے سنہرے بال میرے سینے پر پھیلا کے بولی ۔

"میں ایک بڑا سا سورج آپ کو خرید کر لا دوں گی ۔ میرے پاس دو پیسے ہیں" ۔

"بے وقوف ۔ سورج کہیں بکتا ہے" ۔! میں اس کی نادانی پر ہنسنے لگا ۔

"پھر آپ کے پاس کیسے آیا تھا ۔؟" اُس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کے پوچھا ۔

لو ۔ اب ایک نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ۔ آخر سورج میرے پاس کیسے آیا تھا ۔؟

۔۔۔ کیا اُسے بھی میری پنشن کی سُن گُن لگ گئی تھی ۔ یا پھر اس "دوسرے" میں" کی اُسے بھی خبر ہو گئی تھی ۔!

"وہ کون ہے ۔؟" میں نے چوں چوں کو انگلی سے اوپر دکھایا ۔

"وہ ۔! وہ ۔؟" بڑی دیر تک وہ گردن اوپر اُٹھائے غور سے ۔ "دوسرے" میں" کو دیکھتی رہی ۔ "وہ ابّا ہیں"

"کس کے ابّا ۔؟" میں خوش ہو گیا کہ وہ کوئی اور نکلا ۔

"میرے ۔۔۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر کہا ۔

"وہ آپ ہیں"

میں ۔۔۔؟ میں پھر لرز اُٹھا ۔ تو اب ان ننھے ننھے سے بچّوں میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ میں دو حصّوں میں بٹ چکا ہوں ۔

"تمھیں معلوم ہے چوں چوں کہ مجھے وہاں کس نے ٹانگا ہے ۔؟" میں نے ادھر اُدھر

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

دیکھ کر بڑی رازداری میں پوچھا۔
"امّی نے؟" اس نے بھی اتنے ہی احتیاط کے ساتھ کان میں کہا" ایک دن امّی نے
آپ کو شیشے میں بند کر کے رسّی لگا کے وہاں ٹانگ دیا تھا"۔

شیشے میں بند کر کے۔۔ ؟ رسّی لگا کے۔۔ ؟ یعنی مجھے مار ڈالا گیا ہے۔ گویا مجھے
پھانسی دی گئی ہے۔ پھر میں کیوں اس پلنگ پر لیٹوں! میں تو مر چکا ہوں۔ میرا اب اس
دُنیا سے کیا واسطہ رہا۔

میں دیوار سے لگ کر چُپ چاپ کھڑا ہو گیا کہ پھر نجمو کمرے میں نازل ہوئی۔ جب سے
میں نے چور پکڑا تھا۔ وہ مجھ سے سخت ناراض تھی۔ مگر اس وقت تو وہ اپنی آواز میں شکر
گھول کر آئی تھی۔ پہلے تو اس نے مجھے زبردستی دیوار سے ہٹانے کی کوشش کی۔ پھر
ہار مان کے خود بھی میرے قریب آ بیٹھی۔

آج وہ مجھ سے بے حد اہم مشورے کر رہی تھی اور بڑی بے تکلّفی سے میری پنشن کو
"اپنی پنشن" اور اپنے بچوں کو "میرے بچے" کہے جا رہی تھی۔

اسے تیس ہزار روپے کی ضرورت تھی۔ اس لئے وہ مکان بیچنا چاہتی ہے اور بینک میں
جتنا روپیہ ہے اُسے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے تاکہ شمّی کا بیاہ ہو سکے اور امتیاز کا حصہ
اسے دے کر گھر سے رخصت کر دیں۔ میں سب سُنتا ہوں۔ سچ مچ کے مظلوم شوہروں کی
طرح حالانکہ پنشن اور بینک کی باتیں مجھے سخت بور کرتی ہیں۔ لیکن پھر بھی میں بڑی دور اندیشی
کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے خوب ڈانٹتا ہوں۔

"چُپ رہو۔ اب میں تمھاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ تم نے مجھے مار ڈالا ہے میرے
گلے میں رسّی ڈال کر مجھے پھانسی دی گئی ہے"۔

یہ سُن کر وہ میرے قدموں سے لپٹ جاتی ہے "اس رات والی بات بھول جاؤ۔
۔۔۔ حامد۔ مجھے معاف کر دو۔ اب کبھی تمھیں دھوکا نہیں دوں گی"۔

ڈالا کیوں معاف کر دوں"؟ میں نے اب اُسے پیٹنا شروع کر دیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"تم نے میرا سورج چرا لیا ہے۔ بھلا اتنا اندھیرا کبھی دنیا میں ہوا تھا۔! اور میرا پستول چھپا لیا ہے کہ میں کسی چور کو نہ مار سکوں۔ تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ اس گھر کے کونے کونے میں کتنے چور چھپے بیٹھے ہیں۔! میں کس کس کو دیکھوں۔؟ یہ گھر ہے یا فلم اسٹوڈیو جہاں ہر وقت رومانی شارٹس فلمائے جاتے ہیں۔ نہیں۔ میں ایسے فضول ڈراموں میں کوئی پارٹ ادا نہیں کر سکتا۔"

اچانک میری نگاہ اوپر گئی، جہاں شیشے کے کیس میں بند کر کے مجھے رسی سے لٹکا دیا گیا ہے۔

"مجھے پھانسی کس نے دی۔! میرے ٹکڑے تم نے کیے ہیں۔ میں تو اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔"

نمو زور زور سے چلانے لگی۔ کیونکہ میرے ہاتھ میں جو چیزیں آئیں میں نے اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جو بھی مجھے پکڑنے آیا وہ خود زخمی ہو کر بھاگا۔ آج میں سب کو مار ڈالوں گا۔ سب کو شوٹ کر دوں گا۔ ایک بڑا سا پتھر اٹھائے میں سارے گھر میں چیختا پھر رہا تھا۔

"لوگو۔! ذرا اس آدمی کی حالت دیکھو۔" نمو چلا چلا کر محلے والوں سے کہہ رہی تھی۔

—— "میں آج ہی ساری جائداد اپنے نام کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ابا کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" امتیاز بھی کمرے سے نکل کر لڑائی میں حصہ لے رہا تھا۔

"جا۔! خبردار جو انھیں چھوا۔" نمو ہاتھ نچا رہی تھی۔ "بڑے آئے باپ کی محبت کرنے والے اپنے ساتھ! انھیں لے جا کر سات سو کی پنشن پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ انھیں کوئی اس گھر سے نہیں لے کر جا سکتا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں کا یہی تو ایک سہارا ہے۔"

وہ سب اتنی زور زور سے لڑ رہے ہیں کہ مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔ میں پتھر پھینک کر سوچتا ہوں کہ کیا واقعی امتیاز مجھے اس پرائے گھر سے لے جائے گا۔؟

اس بات کا فیصلہ دوسرے لوگوں کو نہیں ہونا چاہئے۔ میں اسے نہیں چھوڑنا چاہتا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ہوں، ان خونخوار لوگوں سے نپٹنے کے لیے"۔

"چوں چوں، آؤ ہم تم کہیں بھاگ چلیں"۔

میں نے لڑائی کے ڈر سے سہمی ہوئی چوں چوں کو اُٹھا کر کاندھے پر بٹھا لیا۔

"کہاں۔ کہاں جائیں گے"۔ وہ اپنی گڑیا اور اُسے نہلانے کی ننھی سی بالٹی پھینک کر میرے کاندھے پر بیٹھ گئی۔

"دور۔ خوب دور۔ وہاں سورج کے پاس"۔

میں بڑے اطمینان سے پھاٹک کھول کر باہر آ گیا۔ کیونکہ اُس وقت وہ سب آپس میں لڑ رہے ہیں اُنھیں اپنے اپنے حصّے کی دولت سمیٹنے میں اتنے حواس کہاں ہیں کہ ہمیں پکڑ سکیں۔

مگر اچانک میں بھول گیا کہ وہ لوگ آخر کیوں لڑ رہے تھے! شاید کوئی آدمی مر گیا جسے وہ بہت چاہتے تھے۔ شاید سورج مر گیا ہے۔ یا پھر میری پنشن مر گئی ہے۔

"ابا ابا، بھائی جان آپ کی پنشن کے لیے امی کو مار رہے ہیں"۔ چوں چوں کہتی ہے۔

"پنشن کے لیے۔! اب میں کیا کروں۔ کہیں امتیاز اب مجھے بھی مارنا شروع نہ کر دے"۔

"ابا ابا، آپ اپنی پنشن کو وہاں ندی میں پھینک دیجیے نا۔ پھر سب لڑائیاں ختم ہو جائیں گی"۔

چوں چوں مجھے مشورہ دیتی ہے۔ پھر اچانک تالیاں بجانا شروع کر دیتی ہے۔

"ابا ابا، دیکھیے سورج مل گیا۔ وہ وہاں ندی میں چھپ رہا ہے۔ جلدی چلیے"۔ ارے۔ واقعی سورج ہے۔ اسے کسی چور نے نہیں چرایا۔ ہمیں دیکھ کر وہ جلدی جلدی پانی میں چھپ رہا تھا"۔

"ارے ابا ابا۔ جلدی بھاگیے۔ وہ دیکھیے امی آپ کو پکڑنے آ رہی ہیں"۔

چوں چوں میرے کاندھے پر بیٹھی بیٹھی چاروں طرف کی اطلاعیں دے رہی ہے۔

ارے باپ رے باپ ـــــ میں اور تیز تیز بھاگنے لگتا ہوں۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ممتو سے چھپ کر کہاں جاؤں ـــــ سامنے تو دُور دُور تک پانی ہی پانی ہے۔ چوں چوں، چلو اس پانی میں چھپ جائیں ـــــ پھر دیکھیں کوئی ہمیں کیسے پکڑتا ہے ـــــ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

گُربچن سنگھ

موتیا بند

شہر سے ایک کالی سڑک مزدوروں کی بستی کی طرف آتی ہے۔ بستی کے قریب ایک طرف میدان ہے اور دوسری طرف کھپروں کی چھت والے کچّے مکان۔ سڑک کے کنارے درختوں کی قطار ہے۔ ان میں ایک پیپل کا درخت بھی ہے۔ اس کے تنے کو سیمنٹ کے چبوترے سے گھیر دیا گیا ہے۔ ہوا کے جھونکوں سے جھومنے والے پیڑ کچھ بکتے جھکتے سے رہتے ہیں۔ جگت مہاجن کا تخت پوش بھی اسی درخت کے نیچے بچھا رہتا ہے۔ پنواڑی کی دوکان بھی بغل ہی میں ہے۔ مہاجن کبھی کبھی اس تخت پر آکر بیٹھتا ہے۔ بھگوان کی کرنی پینتالیس چھیالیس سال کی عمر ہی میں آنکھیں جواب دے رہی ہیں۔ سر اور مونچھوں کے بال بھی سفید ہو گئے ہیں۔ لیکن انھیں وہ خضاب سے کالا کر لیتا ہے۔ پر یہ آنکھیں ... ؟ اب تو ان پر چشمہ بھی کام نہیں کرتا۔ ڈاکٹر آپریشن کو کہتے ہیں۔ آپریشن کے بعد روشنی ٹھیک ہو جائے گی ــــــ لیکن آپریشن موتیا بند پک جانے کے بعد ہی ہوگا۔ وہ بھی جاڑے کے موسم میں۔

جب مہاجن تخت پر آ بیٹھتا ہے تو اِدھر اُدھر کے گپ باز یا قرض خور اس کو گھیر لیتے ہیں۔ لین دین کی بات ہوتی ہے، یا پھر ایک دوسرے کی چغلی۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بکواس ہوتی ہی رہتی ہے۔ قلی، کباڑی اور دوسرے مزدور مہاجن ہی سے چھوٹا موٹا قرض لیتے ہیں ــــ وہ ان کا ان داتا ہے۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

جب کبھی وہ تنہا ہوتا ہے اور کوئی عورت اُسے اپنے دُکھ کا قصہ سُنانے چلی آتی ہے تو وہ اس سے گھُل مِل کر باتیں کرتا ہے۔ للچائی ہوئی نظروں سے اُس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے کُرید کُرید کر گھر بار کی باتیں پوچھتا ہے۔ اور اگر وہ اپنا دُکھڑا رو کر اس سے کچھ روپئے اُدھار مانگے تو آہستہ سے کہہ دیتا ہے۔

”جاؤ پرمیسری سے لے لو، ہم تو آنکھوں سے مجبور ہو کر کاروبار ایک دم چھوڑ بیٹھے ہیں۔“

پرمیشوری اس کی بیوی کا نام ہے۔ ایک نحیف اور لاغر، روگ کی ماری، چڑچڑے مزاج کی عورت، کسی کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی۔ مہاجن بھی اس سے گھبراتا ہے، اسے دوائیں کھلا کھلا کر ہار چکا ہے۔ نہ کبھی اُس کی صحت ٹھیک ہوئی اور نہ کبھی مہاجن کو سُکھ ملا۔ اولاد تو بھگوان کے ہاتھ ہے، قسمت میں ہوتی تو مل جاتی۔ بازار میں کوڑھ کی ماری عورتیں بھی بچّوں کی ماں ہیں۔

مہاجن نے بڑی رسیلی طبیعت پائی ہے۔ اُسے درخت پر چہکنے والی چڑیوں کی چوں چوں سے لے کر رونے والی عورت کی آواز تک میں ایک لے اور طرز سُنائی دیتی ہے۔ جب اُسے کچھ بھی سُننے کو نہ ملے تو خود گنگنانے لگتا ہے، اور جب اُسے اپنی لے بھونڈی اور بدمزہ سی لگتی تو پنواڑی کو مخاطب کر کے کہتا۔

”ارے میاں سلامت بنجو نہیں سُناؤ گے؟“

سلامت مہاجن کا قرض دار ہے۔ خان کا بچہ احسان فراموش نہیں ہو سکتا، کیا ہوا جو آبائی پیشہ چھوڑ کر پان کی دوکان لگاتا ہے۔ اسی لئے خواہش نہ ہونے پر بھی مہاجن کی فرمائش پر بے وقت کی راگنی چھیڑ دیتا ہے۔

اس دن ایسا ہوا کہ مہاجن کی طبیعت نہ تو گنگنانے کو چاہی اور نہ بنجو سُننے کو۔ چڑیوں کی چہک بھی اُسے بے معنی سی لگی۔ کوئی دُکھڑا رونے والی بھی نہیں آئی۔ گپ باز بھی کہیں مر گئے تھے، اس لئے وہ تخت پر لیٹ گیا۔ اسی درمیان لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

لگ گئی۔ اور اس نے محسوس کیا کہ ایک سُریلی میٹھی آواز اُسے جاگنے پر مجبور کر رہی ہے۔ کتنا حسین خواب ہے۔ لیکن آواز جب قریب آگئی تو اس کا بھرم مٹ گیا۔ اس نے خواب نہیں دیکھا تھا، حقیقت میں اس کے کان سنگیت سُن رہے تھے، وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

آواز قریب آئی ــــــ بالکل قریب، اور پھر سنائی دینے لگی، گھونگھرو کی چھن چھن . . . .

"کون ہارمونیم بجا رہا ہے بھائی . . . ؟"

"ہم ہیں مالک . . . ."

آواز جانی پہچانی سی لگی۔ پھر مہاجن نے سامنے کھڑے ہوئے اندھے کو دیکھ کر کہا۔

"جھگڑو! تم ہو۔"

"ہاں مالک۔"

"اتنے دن کہاں رہے؟" مہاجن نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا ــــ "آخر بستی چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟"

"کلکتہ چلا گیا تھا مالک۔"

"وہ چھوکری کہاں ہے؟"

"ساتھ ہی تو ہے۔"

مہاجن نے منہ گھما کر دیکھا تو سامنے بارہ چودہ برس کی لڑکی گھگرا پہنے، کجراری آنکھوں میں جھینپ لئے اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ قریب ہی کھڑا تھا جُنیا۔ اس کا چھوٹا بھائی۔ دونوں کے چہروں پر ہلکا ہلکا پوڈر تھپا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر سُرخی لگی ہوئی تھی، مہاجن ایسی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا جیسے اُس کی جان نکلا چاہتی ہے۔ وہ کھانستا ہوا آہستہ سے پھُسپھُسایا۔

"کیسی ہے اندو؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

لڑکی کچھ نہیں بولی، شرما کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہی ہے مالک . . . ." جھگڑو اپنی آنکھوں کی پلکوں کو جنبش دیتا ہوا بولا۔

"کیا اب بھی ناچتے گاتے ہو . . . . ؟"

"ابھی تک تو یہی چل رہا تھا۔ لیکن اب . . . . ؟"

"ٹھیک ہے۔ٹھیک ہے . . . . سمجھ گیا۔" مہاجن مسکراتا ہوا بولا "گھر میں ایک جگہ خالی ہے، وہیں تم لوگوں کے رہنے کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"مہربانی ہوگی مالک . . . . ."

"چلو گھر چلو . . . ." مہاجن اُٹھ کھڑا ہوا۔ جھگڑو بچّوں کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

گھر پہنچ کر مہاجن نے اپنی بیوی کو بلایا اور بولا "دیکھو تو کون آئے ہیں . . . ؟"

وہ اندر کے کمرہ سے باہر آئی۔ ایک مرتبہ اس نے مہاجن کی طرف گھور کر دیکھا۔ اور پھر جھگڑو کی طرف۔ اس کی نظریں پھریں، پھر اندو اور جُنیا کی طرف مڑ گئیں۔ وہ چند لمحوں تک غور سے انھیں دیکھتی رہی۔ "ابھی بھی کیا ناچتے گاتے ہو . . . . ؟" اس نے پوچھا۔

جُنیا اندو کی طرف دیکھنے لگا اور اندو جُنیا کی طرف، پھر دونوں مُسکرا دئے . . . پرمیشوری کو ان کا یوں مُسکرانا بُرا لگا۔ خاص کر اندو کی مُسکراہٹ اُسے زہر لگی۔ وہ اُسے سر سے پیر تک گھُورنے لگی۔ اندو نے جو چولی اور گھگرا پہن رکھا تھا وہ چھوٹا پڑ رہا تھا۔ اُس لباس میں اُس کے جسم کا اُبھار اور خم واضح نظر آرہے تھے۔

"جاؤ ــــــ" وہ نفرت سے بولی اور پھر مُنھ بسور کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

مہاجن انھیں آنگن والی کوٹھری میں لے آیا۔

"آج بھر یہیں رہو، کھانے کا بھی بندوبست ہو جائے گا، بستی کے لوگ کہیں گے تو ناچ گانے کا پروگرام بھی بن جائے گا، ٹھیک ہے نا . . . . ؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"جیسی مرضی ۔ ۔ ۔ ۔ !" جھگڑو راضی ہو گیا۔

شاید اندو اور جنیا کو ناچنا گانا منظور نہیں تھا۔ انھوں نے مایوس نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔

مہاجن واپس اپنی بیوی کے پاس آیا۔

"دیکھ لیا نا لڑکی کتنی سیانی ہو گئی ہے؟" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"دیکھ لیا۔" بیوی چمک کر بولی۔ "اسی لئے تو یہاں لائے ہو۔"

"لاتا نہیں تو کیا کرتا، بیچارہ پردیس سے اوٹا ہے۔ رہنے کو کوئی ٹھکانہ تو چاہئے۔ کہاں سب مارے مارے پھریں گے ـــــ ؟"

"تم کو کیا ؟ تم ان کے کون لگتے ہو ؟"

"لگتا تو کچھ بھی نہیں، لیکن بستی کا پرانا آدمی ہے۔ آسرا تو دینا ہی پڑے گا۔"

"بڑے دھرماتما بن گئے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ کاہے آسرا نہیں دو گے۔ اس بے شرم بوڑھے کو تو دیکھو، جوان بیٹی کو نچاتا ہے۔" وہ دانت پیستی ہوئی بولی۔ "جھاڑو مار کر سب کو باہر نکالوں گی۔"

"دھیرے بول نا چلاتی کاہے ہے ۔ ۔ ۔ ۔" مہاجن آہستہ سے پھسپھسایا ۔ ۔ ۔ "لڑکی ابھی بچی ہے۔"

"ابھی بدل گئے نا۔ کچھ دیر پہلے کہہ رہے تھے، لڑکی سیانی ہے۔ اب بچی بن گئی۔" پرمیشوری منہ بناتے ہوئے بولی۔

"چھوکری کو گھر میں نوکر رکھ لو۔ نوکرانی کے لئے کہہ رہی تھیں نا۔"

"نہیں ۔ ۔ ۔" وہ چیخ کر بولی۔ "میں سب سمجھتی ہوں۔"

"تم تو ایسے ہی چلانے لگتی ہو ۔ ۔ ۔" مہاجن نے اٹھ کر چلتے ہوئے کہا۔ "اچھا ذرا ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر دینا۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"ضرور کر دیں گے، تم بھی آکر ڈٹ کر کھا لینا۔" وہ غصہ میں بل کھاتی ہوئی پلنگ پر لیٹ گئی۔
غصہ تو اس کی ناک پہ دھرا رہتا تھا۔ اس وقت اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ چوکے میں جاکر سب برتن وغیرہ توڑ ڈالے۔ غصہ کی شدّت سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔

گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب اس کی طبیعت بحال ہوئی، وہ اُٹھ کر کمرے سے باہر آئی۔ جس کوٹھری میں مہاجن جھگڑو کو ٹکا گیا تھا اس طرف سے ہارمونیم کی آواز آرہی تھی۔ گانے کے میٹھے بول سُنتے ہی غصہ ہلکا ہوا۔ وہ باورچی خانہ میں چلی گئی۔ اور چولھا سُلگاتی ہوئی گانا سُننے لگی۔ گیت اچھا لگ رہا تھا۔ گانا کچھ دیر بعد ختم ہو گیا۔ وہ جھلاّتی ہوئی باورچی خانہ سے باہر نکلی۔ کوٹھری کے دروازے کے پاس جاکر اندر جھانکتی ہوئی بولی۔

"کیوں جی! یہ گھر ہے یا سرا؟"

"کیا اسی کام کے لئے یہاں آئے ہو؟"

"گانا بجانا ہے تو کہیں اور جاؤ۔"

"گانا بُرا لگتا ہے تو نہیں گاتے بہن۔" جھگڑو عاجزی سے بولا۔ "اب تو گانے، بجاتے، ناچتے بچے بھی تھک گئے ہیں۔"

"کوئی دوسرا کام کیوں نہیں کرتے؟"

"اسی کے لئے تو یہاں آئے ہیں۔"

"ہم کو یہ ناچ گانا بالکل پسند نہیں ہے۔" پرمیشوری یہ کہتی ہوئی پھر باورچی خانے میں چلی گئی۔

رات کے وقت پیپل کے درخت کے نیچے محلّے کے بہت سارے لوگ جمع ہو گئے تھے، جُنیا اور اندو کا گانا سُننے، ان کے کمال دیکھنے۔

جھگڑو ہارمونیم پر اُنگلیاں نچا رہا تھا۔ اچانک اس کے ہاتھوں کی حرکت تیز ہو گئی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اندو اور جنیا اپنی جگہ سے اُٹھے، چند لمحوں تک وہ ہارمونیم کے تال پہ پیر ٹھونکتے رہے۔ پھر ایک گانے کی طرز شروع ہوئی۔

"دھڑکا ... دھڑکا .... او دل دھڑکا ...."

اشاروں کنایوں کے ساتھ رقص شروع ہوا۔ تعریفی جملے کہے جانے لگے، دیکھنے والے دیدے پھاڑ پھاڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ مہاجن کی للچائی نگاہیں ان پر گڑی تھیں۔ پیر تھرک رہے تھے، گھونگھرو چھنک رہے تھے، واہ واہ ہو رہی تھی۔ دل کا غبار پھوٹنے لگا تھا۔

جھگڑو بہرہ ہے، وہ کچھ نہیں سُن رہا تھا۔ بہن اور بھائی ناچ رہے تھے، گا رہے تھے، ایک فلمی گیت۔

"دھڑکا ... دھڑکا .... او دل دھڑکا
گزرا میری گلی سے
میرے سپنوں والا لڑکا !"

جھگڑو اندھا ہے، اُسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اندو کی آنکھوں میں شرم ہے، اس کے بھائی کی آنکھوں میں جھجک ہے پھر بھی وہ آؤ بھاؤ دکھاتا ہے۔ اس کے گالوں کو چھونے کی کوشش کرتا ہے۔ اندو سرکتی ہے، مٹکتی ہے۔ اس کی پکڑ میں نہیں آتی۔

گیت ختم ہوتے ہی ان کے پیر رُک گئے۔ تالیاں گونجنے لگیں، سیٹیاں بجنے لگیں، چھن چھن .... پیسے بھی برسنے لگے۔ فرمائش ہوئی۔ "ہو جائے، ہم تم سے محبت کرے گا"

"جنیا آتا ہے رے یہ گانا" جھگڑو لڑکے سے پوچھنے لگا۔

"ہاں بابوجی۔" لڑکے نے جواب دیا۔

جھگڑو اسی طرز پہ ہارمونیم کے سُر نکالنے لگا۔ "ہم تم سے محبت کرے گا۔"

جنیا نے پیر تھرکاتے ہوئے اندو کو بھی ناچنے کا اشارہ کیا۔ لیکن اس نے ناچنے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سے انکار کیا۔

"آنا . . ." اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔

"نہیں" اندو ہاتھ چھڑاتی ہوئی بولی۔

"دیکھو بابا۔ اندو نہیں ناچتی۔"

"اندو . . . !" جھگڑو کا کرخت لہجہ اُبھرا۔

اندو بھی پیر کو حرکت دینے لگی۔ گیت شروع ہوا۔

"ہم تم سے محبت کرے گا
دنیا سے نہیں ڈرے گا"

ویسے ہی آؤ بھاؤ۔ وہی ناز نخرے، وہی واہ واہ، تالیاں اور سیٹیاں، کئی گیت کئی فرمائشیں، ایک کے بعد ایک مجمع بڑھتا ہی گیا۔

رات دس گیارہ بجے تک سب ہوتا رہا۔ ہارمونیم بجاتے بجاتے جھگڑو کی اُنگلیاں تھک گئیں۔ گاتے گاتے بہن بھائی کا گلا بیٹھنے لگا۔ اندو تھک کر نڈھال ہو گئی۔

"مالک اب بس —" جھگڑو آہستہ سے بولا۔

"تو نے خوش کر دیا جھگڑو" مہاجن مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کے دل کی ہوس ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

"ذرا اندو کو تو پوچھو، اور ناچے گی؟" مہاجن نے جھگڑو سے سوال کیا۔

"نہیں بابا، اب ہم نہیں ناچیں گے۔" جھگڑو کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اندو بولی۔

"چلو بابا گھر چلو . . ."

جھگڑو اندھا بھی تھے اور بہرہ بھی، اس لئے وہ نہیں دیکھ سکا کہ اس کی بیٹی کس قدر پریشان ہے، کتنی بُری نظریں اُسے گھور رہی ہیں۔

"چلو بھائی سب اپنا اپنا راستہ ناپو، کھیل ختم۔ چلو جھگڑو گھر چلو۔" مہاجن

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

تخت پوش سے اٹھتے ہوئے بولا۔

اندو بہت تھک گئی تھی، وہ چلتے ہوئے لنگڑا رہی تھی۔ جھنیا نے سہارا دینے کے خیال
اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اندو نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ بھائی پر اُسے غصہ آ رہا تھا۔ وہ ایک
کا پرایا پن، ایک طرح کی بیگانگی محسوس کر رہی تھی۔

گھر پہنچتے ہی مہاجن ان کے کانوں میں پھسپھسایا، تم لوگ کوٹھری میں چلو، کھ
وہیں پہنچ جائے گا۔ پھر وہ کمرے میں آیا۔ اندو لیٹی ہوئی پرمیشوری کو اس نے جھنجھوڑتے
ہوئے کہا۔

"سو گئی ہو کیا ... ؟"

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آ گئے رت جگا کر کے، بھر گیا من ... ؟" وہ کڑک کر بولی۔

"دھیرے سے بولو۔" مہاجن نے خوشامدانہ منہ بنا کر پرمیشوری سے ک
"بیچارے غریب ہیں، کچھ کما لیں، اسی لئے تو سب کچھ کیا ہے۔"

"تو اب میرے لئے کیا حکم ہے ؟"

"جاؤ ان کو کچھ کھانے کو دے دو، بھوکے ہیں بیچارے۔"

"آنگن میں بھات، دال، ترکاری، سب ہی کچھ رکھا ہے۔ جاؤ تم ہی دے دو۔"

"نہیں تم ہی دے دو، تمہارے ہاتھ سے اچھا رہے گا۔"

"جاؤ بلا ؤ ان کو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی۔

مہاجن سب کو کھانے پر بلانے کے لئے کوٹھری میں پہنچ گیا۔

"چلو سب کھانا کھا لو۔" مہاجن نے جھگڑو کو مخاطب کیا۔

"اچھا ... " جھگڑو مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "چلو بیٹی اٹھو چل اے جن
"میں نہیں جاؤں گی بابا!" اندو نے جو ایک کونے میں تھک کر لیٹ چکی تھی، جواب دیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"کاہے...."

"نہیں....!" اندو نے لیٹے لیٹے کروٹ بدل لی۔

"چلو مہاجن بھیا ہم آتے ہیں"۔ جھگڑو یہ کہتے ہوئے اندو کی طرف بڑھا۔ "کدھر سوئی ہے رے، چل اُٹھ"۔ اس نے ہاتھ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا، جی ٹھیک نہیں ہے"۔ اس نے پھر کروٹ بدل لی۔

"اچھا تو سو جا"۔ جھگڑو ڈبیا کا ہاتھ تھامے آنگن میں آگیا۔

"وہ نہیں آئی؟" مہاجن نے پوچھا۔

"اس کو بخار معلوم ہوتا ہے"۔ جھگڑو نے جواب دیا "وہ نہیں آئے گی، دیر تک ناچے تو اُسے ایسا ہی ہو جاتا ہے"۔

پرمیشوری نے باپ بیٹے کو پتّل میں کھانا پروس دیا اور خود باورچی خانے میں چلی گئی۔

جب دونوں باپ بیٹے کھانا کھانے لگے تو مہاجن ان کی آنکھ بچا کر کوٹھری میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ اندو زمین پر چت لیٹی ہوئی ہے۔

"ارے اندو، تیرے کو بخار ہے کیا....؟" مہاجن اس پر جھک کر جیسے کچھ ٹٹولنے لگا۔ اس کا ہاتھ کہیں سے کہیں جا پڑا۔

"دھت....!" اندو نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مہاجن کا دل سُرعت سے دھڑکنے لگا۔ "کھانے نہیں چلے گی؟" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

"نہیں"۔ اس نے روکھے پن سے جواب دیا۔

"اچھا سو جا __ میں سمجھ گیا تیرے کو بخار ہے"۔ مہاجن چند لمحے کھڑا اس کو للچائی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر باہر آکر جھگڑو سے بولا۔ "اور جو چیز درکار ہو مانگ لینا"۔ مہاجن اپنے آپ میں ایک سرور اور اُمنگ محسوس کر رہا تھا۔ جب وہ بھی کھاپی کر

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سونے لگا تو اپنی بیوی کو کہنی کا ٹھوکا دیتے ہوئے بولا "تو تو ایسے ہی مر جائے گی، یوں ہی من میں زہر گھولتے گھولتے۔"

"میں کیوں مروں، مریں تمہارے اگلے پچھلے۔" پرمیشوری مہاجن کی طرف کروٹ لیتے ہوئے بولی۔

"تو تو اس لیے مرے گی کہ تیرے مَن میں دیا دھرم نہیں ہے۔"

"ہم نے کیا پاپ کیا ہے۔" وہ ذرا تیکھے لہجے میں بولی۔

"آہستہ بولو۔" مہاجن اس کے کانوں میں پھسپھسایا۔ "تو ہی دیکھ، بے چاری لڑکی بیمار پڑ گئی ہے۔ سویرے ان کو گھر سے نکال دے گی تو بوڑھا بے چارہ اسے کہاں لے کر جائے گا۔"

"تو ہم کیا کریں؟"

"اسی بہانے اس گھر میں رکھ لو۔ گھر کا کام کاج کر دیا کرے گی۔"

"ہوں، میں تمہاری چال سمجھتی ہوں۔" پرمیشوری دانت پیستی ہوئی بولی۔

"یہ بیماری کا نخرہ تمہارا ہی سکھایا ہوا ہے۔"

"تو خود جا کر دیکھ لے، بیمار ہے کہ نہیں۔ بہت بخار ہے بیچاری کو۔"

"بدن چھو کر دیکھے ہو۔۔۔؟"

"رام رام، میں کاہے کو اس کا بدن چھوتا؟" مہاجن دل ہی دل میں بیوی کی چالاکی کا قائل ہو گیا۔

"تو ہی جا نا چھو کر دیکھ لے۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے سویرے دیکھوں گی۔ اب سو جاؤ۔"

پرمیشوری کا ارادہ تھا کہ وہ مہاجن کے اُٹھنے سے پہلے جھگڑو وغیرہ کو گھر سے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

چلتا کر دے گی۔ اس لیے اس کی آنکھ جلدی کھل گئی۔ اٹھتے ہی وہ سب سے پہلے کوٹھری کی طرف گئی۔ دروازے سے جھانکا تو اس نے دیکھا، اندو بڑی بے چینی سے کروٹیں بدل رہی ہے، اندھا جھگڑو اس کے ہاتھ پاؤں دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"کیا ہوا جھگڑو ۔ ۔ ۔ ؟" وہ دروازے پر ہی سے بولی۔

"بٹیا کا من ٹھیک نہیں ہے۔" جھگڑو کے ہاتھ رک گئے۔

"کیا ہوا ؟"

"ہاتھ پاؤں اور ماتھا دکھتا ہے۔"

"چھوڑ دو اس کو ہاتھ مت لگاؤ، ہم دیکھ لیں گے۔"

"اچھا۔" جھگڑو نے اندو کے پاس سے ہٹتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کو جہاں جانا ہے جاؤ۔ اس کو یہیں رہنے دو۔"

"کچھ دیر بعد جب وہ دوبارہ کوٹھری میں گئی تو اس نے دیکھا باپ بیٹا جا چکے ہیں۔ اندو اسے دیکھتے ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور سہمی سہمی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"سمجھی۔" پرمیشوری غور سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیا ہوا ہے رے تیرے کو ؟"

اندو کا سر نیچے جھک گیا۔ حیا سے چہرے کا رنگ تپے ہوئے تانبے کی طرح تمتمانے لگا۔

"بولتی کاہے نہیں رے چھنار ؟"

وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

پرمیشوری کچھ دیر تک اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ "ہم سمجھ گئے۔ باپ اندھا ہے، وہ کیا دیکھے گا، کیا سمجھے گا کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے۔" وہ پھر کڑک کر بولی۔

"پہلی بار ہے کیا ۔ ۔ ۔ ؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اندو جیسے زمین میں گڑ سی گئی۔

پرمیشوری کا جی چاہا کہ اندو کی چھاتی پر ایک زور کی لات مارے تاکہ سب کچھ پچک کر رہ جائے۔ لیکن پھر آخر وہ عورت تھی، اس کا دل پسیج گیا، بے ماں کی بچّی ہے، ماں ہوتی تو، بہن ہوتی تو سمجھا نہ دیتی، سب کچھ بتا نہ دیتی۔ پھر کوئی ناچنے کو نہ بھیجتا، سر نہیں دُکھتا جسم یوں نہیں لوٹتا، باپ کو ماتھا نہیں دبانا پڑتا۔

"اُٹھ کر مُنہ ہاتھ دھو، میں تیرے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" پرمیشوری ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آئی، اور بستر اُٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔ "انجان لڑکی ہے، بیچاری کیا سمجھے، کیا جانے، کیا کہے کسی سے۔"

"کیا بات ہے؟" مہاجن نے کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اب اُٹھو گے بھی یا نہیں۔" وہ کچھ اونچے لہجے میں بولی۔ "اُٹھو، اُٹھو۔" مہاجن کے اوپر سے چادر کھینچتے ہوئے اُس نے پھر تنک کر کہا۔ "ہم کو تنگ مت کرو۔"

"سویرے ہی سویرے لڑنا لڑنا شروع کر دی۔" مہاجن اُٹھتے اُٹھتے بڑبڑایا۔ "وہ لوگ چلے گئے کیا؟"

"ہاں۔" اس نے روکھے پن سے کہا۔

"کہاں گئے؟ کچھ کہہ کر نہیں گئے...؟"

"نہیں!"

"اندو کو یہیں چھوڑ گئے۔"

"تو کیا کرتے، بیمار لڑکی کو کہاں لے جاتے...!"

"ابھی تک بخار ہے کیا؟"

"ہاں..." اس نے 'ہاں' پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "جاؤ اپنا کام کرو۔"

مہاجن نے اور کچھ نہیں پوچھا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

تین چار دن بعد اندو کا بخار اُتر گیا۔ اس کا روپ پہلے سے کہیں زیادہ نکھر آیا۔ تین دن تک پرمیشوری نے اس کے ناک میں دم کئے رکھا۔ اُسے طرح طرح سے کوسا۔ نفرت اور غصہ کا اظہار کیا، جیسے وہ لڑکی نہ ہو غلاظت کا ڈھیر ہو۔ لیکن جب اس نے اس کا نکھرا ہوا روپ دیکھا تو غصہ اور نفرت کم ہو گئی۔ دوپہر کے وقت پاس بٹھا کر بولی۔

"بھجن بھی گانا آتا ہے یا صرف چٹک مٹک ہی کے گانے جانتی ہو؟"

"آتا ہے" اندو نے دھیرے سے کہا۔

"سناؤ تو"

اندو اُٹھ کر گنگنانے لگی "میرے تو گردھر گوپال دوسرا نہ کوئی" آواز بلند ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ آؤ بھاؤ کے ساتھ ناچنے لگی۔

"بیٹھ جا...." پرمیشوری بولی "بیٹھ کر سناؤ" اندو بیٹھ کر گانے لگی۔ کافی دیر تک گاتی رہی۔ ایک ایک بھجن کو کئی کئی مرتبہ گایا۔ اس کو بھجن کم ہی آتے تھے۔ پرمیشوری کو اس کا گانا بہت پیارا لگا۔ کہنے لگی "تو یہیں رہ جا نا رے۔ بول تیرے باپ سے کہوں؟"

"آپ ہمیں اپنے پاس رکھیں گی....؟" اندو نے بھولے پن سے سوال کیا۔

"ہاں۔ لیکن ٹھیک سے رہنا ہوگا۔"

"ہاں رہیں گے"

"اچھا شام کو تیرے بابا کو آنے دے ابھی سے بات کریں گے"

اور شام کو پرمیشوری جھگڑو سے بولی۔ دیکھ جھگڑو لڑکی جوان ہو گئی ہے۔ اُسے اب گلی گلی اور بازار میں مت لے جا، کوئی دھوکا دے دیگا۔ اسے یہیں رہنے دے۔ پانچ روپے مہینہ دوں گی، کھانا کپڑا الگ سے، جب کہیں اس کی شادی بیاہ کی بات ہو تو بتا دینا۔ نہیں تو ہم ہی اس کے لئے کوئی دیکھ بھال کریں گے، بول منظور ہے نا۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"میں کیا بولوں بہن۔ اندو تمہاری ہی بٹیا ہے۔ ٹھیک ہے یہ تمہارے ہی پاس رہے گی"
جھگڑو نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ اس کو سمجھا دو ٹھیک سے رہے، ٹھیک سے کام کرے۔ لڑکے
کو اگر ٹکر ٹکر دیکھے گی تو آنکھیں پھوڑ دوں گی۔"

اندو لجا سی گئی۔

"نہیں، میری بٹیا ایسی نہیں ہے۔" جھگڑو پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے
ہوئے بولا۔

دوسرے دن سویرے جھگڑو لڑکے کو ساتھ لے کر کہیں اور چلا گیا۔ اور اندو کو
مہاجن کے حوالے کر گیا۔

پرمیشوری نے لڑکی کو صاف کپڑے پہننے کو دئے، دوپہر کے وقت جب مہاجن
کی نظر اندو پہ پڑی تو چور نظروں سے اُسے دیکھتا ہی رہا۔ پھر آہستہ سے بیوی کے کانوں
میں پھسپھسایا۔ "میں نے سوچ سمجھ کر ہی کہا تھا کہ لڑکی کو کام کاج کے لئے گھر میں
رکھ لو — ٹھیک ہی کیا تم نے۔"

"بس بس رہنے دو۔ میں نے اپنی گرج سے رکھا ہے تمہارے کہنے سے نہیں۔"
"رکھ تو لیا نا۔"

"اور دیکھو، لڑکی جوان ہے۔ بیٹی کی طرح ہے۔ کل کو اگر کوئی بات ہو گئی تو ہم سب
کی بدنامی ہوگی۔"

مہاجن سُن کر چپ رہا۔

اندو اب گھر کی ایک فرد بن گئی۔ کام کاج کی ذمہ داری اس پہ آ گئی۔ جھاڑو
وہ دے، برتن وہ مانجے، نہانے کے لئے نل سے پانی وہ لائے۔ اس پہ پرمیشوری
کی بکواس۔ کبھی ڈانٹ رہی ہے، کبھی جھڑک رہی ہے اور وہ چُپ چاپ اپنے کام

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

میں لگی ہوئی ہے۔ ناچنے والی اندو اور گھر کی اندو میں بہت فرق ہو گیا۔

مہاجن بیوی کی نظر بچا کر اُسے گھورتا، اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کرتا۔ وہاں اُسے ایک معصومیت کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا۔ اندو نظریں ملتے ہی آنکھیں نیچے جُھکا لیتی۔ مہاجن کی نظریں دھندلا جاتیں۔ جانے آنکھوں کا موتیا بند کٹ کر کب باہر آئیگا۔ وہ ٹھنڈی سانس لیتا۔

"اندو سے گانا سُنا کر، بہت اچھا گاتی ہے، کبھی سُنا ہے کہ نہیں"۔ ایک دن اس نے پرمیشوری سے پوچھا۔

"رہنے دو، کام کاج کرے گی یا گانا گائے گی۔ ہاتھ مُنہ توڑ کر رکھ دوں گی"۔ پرمیشوری نے مہاجن پر شعلے برسانا شروع کئے۔

"لڑکی پر سختی کرو گی تو کہیں بھاگ جائے گی"۔

"بھاگے گی تو ٹانگ توڑ ڈالوں گی"۔

مہاجن دیکھتا رہتا تھا کہ اندو سے اگر کوئی بھول ہو جاتی تھی تو پرمیشوری تڑاق سے ایک چھڑی اس کی پیٹھ پر برسا دیتی ہے۔

"تم بے چاری کو بہت مارتی ہو، اتنا نہ مارا کرو، میں پھر کہتا ہوں، اگر کچھ ہو گیا تو.... ؟" اس نے پرمیشوری کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ماروں نا تو کیا پیار کروں"۔ پرمیشوری بولی۔

"ارے نہیں! بے چاری غریب پر اپنے یہ پیارے پیارے ہاتھ مت چلایا کرو"۔ اس نے پرمیشوری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"اوہ، چھوڑو میرا ہاتھ...."

"اگر نہ چھوڑوں تو.... ؟"

اور پھر سی سی کرتا مہاجن اپنا ہاتھ ملنے لگا۔ "بوڑھی ہو گئی ہو لیکن بچوں کی طرح

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ابھی تک کاٹنے کی عادت نہیں گئی۔"

پرمیشوری ہنسنے لگی۔

پرمیشوری بہت کم گھر سے باہر نکلتی تھی۔ ہاں کبھی کبھی رشتہ داروں کے یہاں گھڑی دو گھڑی ہو آتی تھی۔ ایک دن اس کے بھائی کے بیمار ہونے کی خبر آئی۔ وہ دوپہر کے بعد اس کے یہاں چلی گئی۔ مہاجن گھر پر ہی تھا۔ اندو اندر کمرے میں جھاڑو دینے آئی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"تھوڑا ناچ گا نا۔"

"نہیں باپو نہیں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر باہر آگئی۔ مہاجن بھی پیچھے پیچھے آیا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر بولا۔

"بھاگ کر کہاں جاؤ گی۔"

"ماں جی سے کہہ دوں گی۔"

"کیا کہے گی ...؟"

"آپ مجھے ناچنے کے لئے کہتے ہیں۔"

"ماں نے منع کیا ہے کیا؟"

"ہاں ــــــ!"

"اچھا تو ٹھیک ہے۔ جا اپنا کام کر۔" مہاجن یہ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ وہ دل میں کڑھ رہا تھا، عجیب لڑکی ہے، گانے ناچنے سے انکار کرتی ہے۔ سامنے منہ بھی کھولنے لگی ہے۔ بس چلتا تو اُسے بیت سے پٹیتا۔

مہاجن تیسرے پہر کا نکلا رات کو کچھ دیر سے گھر لوٹا۔ بستی میں ایک نوٹنکی آئی تھی۔ وہی دیکھ رہا تھا۔ کارخانے کا دس کا بھونپو اُسے راستے میں سُنائی دیا۔ جوں ہی وہ گھر میں داخل ہوا، اُسے کوٹھری کی طرف سے ہلکی سی ایک گنگناہٹ سُنائی دی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اس نے دروازے کے سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندو گا رہی ہے، ناچ بھی رہی ہے، وہ کھوئی ہوئی ہے۔ بالکل بے فکر وہ کھڑا دیکھتا رہا، خوب صورت درمیانہ قد، گٹھا ہوا بدن، اس کے دل میں ایک انتشار سا پیدا ہونے لگا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد وہ انتشار غصہ میں تبدیل ہو گیا۔ دوپہر کے وقت اندو نے اسکے سامنے ناچنے گانے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ اندر گیا اور پرمیشوری کو آہستہ سے جگاتے ہوئے بولا۔

"پرمیسری، پرمیسری . . . اُٹھ . . . اُٹھ ذرا دیکھ . . . چل آ میرے ساتھ۔"

"کیا ہے . . . ؟" وہ چونک کر بولی۔

"اُٹھ، ذرا باہر آ۔ دیکھ اپنی لاڈلی کو . . ."

پرمیشوری آج شام کو ہی اندو پر برسی تھی۔ فوراً اُٹھ کر باہر آئی۔ مہاجن اُسے کوٹھری کی طرف لے گیا۔

"ذرا اندر جھانکنا۔" پرمیشوری نے اندر جھانک کر دیکھا، اندو گا رہی ہے . . . "میرے سپنوں میں آنا رے۔" اور ساتھ ہی ساتھ ناچ بھی رہی ہے۔ اپنے آپ کا ہوش نہیں ہے۔ پہناوا الجھا سا گیا ہے۔

"تم جاؤ، میں اسے نچاتی ہوں۔" پرمیشوری غصہ سے کانپتی ہوئی مہاجن سے بولی۔ وہ باورچی خانہ کی طرف گئی اور وہاں سے ایک جلی ہوئی لکڑی اُٹھا لائی۔ اس نے کوٹھری کے دروازے پر لات ماری۔ دروازہ کھُل گیا۔ اندو چونک کر سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ لکڑی اس پر برسنے لگی۔ دھپ . . . دھپ . . . دھپ۔

"نہیں، ماں، نہیں . . ." وہ چیخ اُٹھی۔

"کلموہی، حرام زادی، ہماری ناک کٹا کر رہے گی، ہزار بار کہا ہے، ناچنا گانا بند کر دے۔ مانتی ہی نہیں۔ آج میں تیرے ہاتھ پاؤں توڑ کر رکھ دوں گی، تو ہمیشہ کے لئے ناچنا گانا بھول جائے گی۔" دھپ . . . دھپ . . . وہ لکڑی برساتی ہوئی خود بھی برس رہی تھی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"بول، بول اور گائے گی، ناچے گی ... ؟ تیری آنکھوں میں مرچیں جھونک دوں گی زبان کھینچ لوں گی۔" لکڑی برستی رہی۔ اندو چیختی چلاتی، اس کے قدموں پر گر کر رحم کی بھیک مانگنے لگی۔

"ماں جی، ہم کو مافی دے دو۔ اب نہ ناچیں گے، نہ گائیں گے، مافی دے دو ماں جی۔"

مریضہ پرمیشوری کا ہاتھ زیادہ دیر تک نہیں چل سکا۔ وہ ہانپتی کانپتی، بکتی جھکتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

مہاجن بیوی کی یہ سختی دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ اس کا ضمیر اُسے لعنت ملامت کرنے لگا۔ اس سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی، وہ کمرے میں چپ چاپ چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس نے دیکھا پرمیشوری کا دم پھول رہا تھا۔ کوٹھری سے اندو کے سسکنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ اس نے پرمیشوری سے اندو کی شکایت کیوں کی۔ اس بے چاری نے اس کا کیا بگاڑا تھا جو اُسے مار کھلائی۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا، بُرا بھلا کہنے لگا۔ اگر تیری اپنی بیٹی ہوتی تو!

"ارے پرمیشری!" اس کے دل کا کرب بڑھ گیا۔

"اندو کو اتنا نہیں مارنا چاہئے تھا۔ آخر پرائی بیٹی ہے۔ اگر جا بے جا مار لگ جاتی تو کیا ہوتا۔ اتنا نہیں پیٹنا چاہئے تھا تھوڑا ڈرا دھمکا دیتیں، کافی تھا۔"

"بیٹی نہیں تو تمہارا من کیسے خوش ہوتا۔" پرمیشوری نے طنز کیا اور کمرے کی بتی بجھا دی۔ یہ بات مہاجن کے دل کو ڈس گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کیا پرمیشوری نے اُسے خوش کرنے کے لئے اندو کو اس بُری طرح پیٹا ہے۔ کیا وہ اس کے دل کی بات جانتی ہے؟ اس کی اپنی کمزوری اُبھر کر سامنے آ گئی۔

مہاجن کو بہت رات تک نیند نہ آئی۔ وہ پچھتاوے کی آگ میں کروٹیں بدلتا رہا۔ کوٹھری کی طرف سے متواتر سسکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

سویرے اس کی طبیعت بہت اُداس تھی، وہ تڑکے بغیر کچھ ناشتہ کئے گھر سے نکل گیا۔ اُسے اندو کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بازار جا کر اس نے کسی ہوٹل میں منہ جھوٹا کیا، پھر گیارہ بجے کے قریب اپنے اڈے پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ اُداس سا تخت پوش پر بیٹھا ہوا تھا۔ آج اس کا جی نہ تو کسی سے ملنے کو چاہ رہا تھا اور نہ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کسی سے بات کرنے کو' نہ اس نے بنجو ماسٹر سے بنجو سُنانے کو کہا۔ چند یار دوست آئے بھی تو انھوں نے ہنسی مذاق کے بعد اندو کا چرچا چھیڑ دیا۔ اسے بہت بُرا لگا لیکن اس نے اپنا غصّہ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وہ خاموش رہا۔ بکنے والے بک جھک کر چلے گئے۔

اب وہ تنہائی کے عالم میں بیٹھا پیپل پر چہچہانے والی چڑیوں کا نغمہ سُن رہا تھا اور اس کے دل کو بڑا سکون سا مل رہا تھا۔ دفعتاً اسے پیچھے سے ایک آواز سُنائی دی۔

"بابا.... !"

وہ چونکا' مُنہ پھیر کر دیکھا اندو سر جھکائے کھڑی تھی۔ ماتھے پر چوٹ کا نشان تھا۔ جس پر ہلدی چونا لگا ہوا تھا۔ گالوں پر کئی جگہ خراشیں آ گئی تھیں۔ جس پر تیل لگا ہوا تھا۔

مہاجن سنبھلا۔ اس کے مُنہ سے نکلا "کیا بات ہے بیٹی ... ؟"

"ماں جی نے کھانے کے لئے بلایا ہے۔"

"نہیں کھاؤں گا' تیری ماں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔" مہاجن کے گلے میں جملے اٹک گئے۔ "دیکھ نا رات کو اس نے تجھے کتنا مارا ہے' بہت چوٹ لگی ہے نا.... ؟"

رات مار کھانے کے بعد اندو نے کسی سے ہمدردی کے الفاظ نہیں سُنے تھے' مہاجن کے مُنہ سے جو یہ بات سُنی تو اس کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے۔ وہ آنچل سے اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھنے لگی۔

"مت رو رے مت رو۔ میں تیری ماں کو ڈانٹ دوں گا' اب وہ تجھے ایسے نہیں مارے گی۔" مہاجن پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ اندو نے سسکتے ہوئے اس کی چھاتی سے اپنا سر ٹیک دیا۔ وہ اس سے ایسی چپک گئی جیسے ڈرا ہوا بچہ اپنی ماں سے چپک جاتا ہے۔ مہاجن نے محسوس کیا کہ اس کے اندر کی ایک آگ' ایک پچھتاوا' جو اس کا تن پھونکے جا رہا تھا' سرد پڑ گئی۔ وہ بے حِس سا بیٹھا رہا۔

بنجو ماسٹر یہ منظر دیکھ کر ہنس پڑا لیکن جب اس کی نظر مہاجن کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں پر پڑی تو شرمندہ ہو گیا۔ مہاجن پیار سے اندو کے سر پہ ہاتھ پھیرے جا رہا تھا اور وہ آہستہ آہستہ سسک رہی تھی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

رضیہ فصیح احمد

اُلجھی ڈور

"تمھیں محسوس کیا ہوتا ہے ؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ــ جیسے کوئی جانور اپنے نوکیلے پنجے میرے دل پر گاڑے بیٹھا ہے اور زبان سے مستقل میرا لہو چاٹ رہا ہے۔"

"یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔" میں نے ہنس کر ٹالنا چاہا مگر اُس کی آنکھوں میں ایسا دُکھ ایسی تکلیف تھی کہ مجھے اس کی بات کا یقین ہو گیا۔

"تم الگ گھر نہیں لے سکتیں ؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گھر دونوں نے مل کر بنوایا ہے۔"

"علیحدہ دو حصّے تو ہو سکتے ہوں گے۔"

"ہو تو سکتے ہیں، مگر گھر کے دروازے بند کرنے سے دل کے دروازے بند نہیں ہو جاتے، شروع سے اکٹھا کھانا پینا ہوتا ہے، کوئی معقول وجہ الگ ہونے کی نہیں خصوصاً جب وہ چاہتے نہیں اور ظاہر ہے کہ مجبور نہیں کر سکتی۔ میں تو اگر دوپہر کو زیادہ دیر سوتی رہ جاؤں تو وہ تیار ہو کر اُدھر چلے جاتے ہیں۔ میں جب بھی جاؤں وہ باتیں کرتے ملتے ہیں کبھی ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک دوسرے کے پاس سے خاموشی سے گزر جائیں۔"

"ظاہراً تمھاری آپس میں کوئی تلخی نہیں ؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"بالکل نہیں، بلکہ وہ ایک طرح سے میری خوشامد ہی لگی رہتی ہے۔ تنہائی میں مجھ سے ہر بات میں رائے لینے آئے گی۔ میرے بغیر وہ کبھی بازار نہیں جاتی۔"

"پھر تمھیں اس سے کیا شکایت ہے؟"

اُس نے مجھے شکوہ سنج نظروں سے دیکھا اور دھیرے سے بولی "میں بتا چکی ہوں"۔

واقعی وہ مجھے نہایت تفصیل بتا چکی تھی۔ بات کچھ عجیب سی تھی۔ دو بھائی ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ یہ بڑے بھائی کی بیوی تھی۔ اسے شکایت تھی کہ اُس کے شوہر اور دیورانی میں ایک عجیب و غریب رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ اس کا تعلق جسم سے نہ تھا اس بات پر اس کا یقین ایمان کی حد تک تھا۔ وہ اٹوٹ محبت بھی نہ تھی مگر پھر کیا تھا کہ وہ ہر لمحہ ایک دوسرے کے نزدیک رہنا چاہتے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ دنیا کی کوئی بات نہیں ہوتی جو وہ ایک دوسرے کو مخاطب کر کے نہ کہیں یا جب بھی کھڑے ہوں اُن کے درمیان ایک فٹ سے زیادہ فاصلہ ہو۔ کتنے ہی آدمی ہوں، کتنے ہی مختلف حلقے ہوں وہ ایک ہی حلقے میں ہونگے۔ اگر مجبوراً کبھی اُسے عورتوں کے حلقے میں بیٹھنا پڑ جائے تو اُس کے کان وہیں ہوں گے، انھیں کی باتوں میں حصہ لے گی اور بہت جلد اُٹھ کر وہیں چلی جائے گی۔ یوں نہیں کہ وہ کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے مگر پورے وقت انھیں یہ دھیان رہتا ہے کہ دوسرا کیا کہہ رہا ہے، کیا کر رہا ہے۔ کسی اور سے باتیں کرتے کرتے انھیں بھول کر آپس میں باتیں کرنے لگنا۔ ایک سی چیز کی طرف اپنی توجہ اُلجھائے رکھنا ان کا معمول ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر درمیان میں آنے والی چیز ان کے درمیان رشتہ بن جاتی ہے۔ مثلاً اُڑنے والی مکھی ایک دیکھے گا تو دوسرا بھی۔ پھر اسی کے بارے میں باتیں ہوں گی۔ اسی طرح بچے بھی مستقل ان کے درمیان رابطہ بنے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں سے بھی باتیں کر رہے ہیں لیکن اگر کوئی گھڑی لے کر بیٹھ جائے تو دیکھ سکتا ہے کہ تین گھنٹے کی اس محفل میں جس میں بہت سے جوڑوں میں شاید ایک بات بھی نہیں ہوئی ہو گی، وہ مشکل دو چار منٹ ایک دوسرے سے غافل رہے ہوں گے یا شاید اتنا بھی نہیں۔ کھانے کی میز پر اخبار پڑھتے ہوئے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اگر دیورانی نے کہا۔ "نمک کم ہے تو فوراً اُس کے شوہر کا ہاتھ نمک دانی پر جائے گا اور وہ اُسے اس کی طرف بڑھا دے گا۔ لیکن اگر وہ کہے "ذرا نمک دانی دیجئے گا" تو اخبار پڑھتے یہ آواز اُس کے کانوں میں کبھی بھی نہیں جائے گی۔ یہ سب باتیں اس نے ایک مرتبہ پہلے بھی مجھے بتائی تھیں اور میں ہنس کر ٹال گئی تھی۔ میں نے کہا تھا "معلوم ہوتا ہے دیورانی تم سے زیادہ سُندر ہے اور تم اس سے جلنے لگی ہو" بات ہنسی میں ٹل گئی تھی۔ اس وقت وہ بھی زیادہ پریشان معلوم نہیں ہوتی تھی مگر آج اُس کا رنگ زرد تھا۔ وہ پہلے سے کمزور ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشت تھی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ دل سے یہ وہم نکالنے کی ہر ممکن کوشش کر چکی ہے مگر ناکام رہی ہے۔ وہ راتوں کو سو نہیں سکتی۔ ہر رات دل سے جھگڑتی ہے کہ یہ وہم ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آخر وہ بہن بھائی ہیں کیا بہن بھائی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے مگر جب صبح ہوتی ہے اور اس رشتے میں وہ حد نہیں پاتی جو عموماً ہر رشتے میں کہیں نہ کہیں پائی جاتی ہے تو اس کا دل پھر لہو ٹپکانے لگتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اس ایک لمحے کو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بنا لینا چاہتی ہے۔ جب وہ ایک دوسرے سے غافل رہے ہوں مگر افسوس کہ وہ ایک لمحہ اُسے نہیں ملتا۔ ریڈیو پر خبریں سنتے ہوئے اس کا شوہر بڑے سے بڑے آدمی کی مداخلت گوارا نہیں کرتا مگر ہزاروں دفعہ کا تجربہ ہے کہ جب درمیان میں وہ کوئی نہایت غیر اہم بات چھیڑ دیتی ہے تو نہ صرف اُسے ٹوکا نہیں جاتا بلکہ خبروں کو بھول کر وہ باتوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ کھانے میں وہ ہمیشہ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہے اور کہیں ہمیشہ نزدیک ترین جگہ کھڑے ہوں تو اتنے نزدیک کہ ان کے درمیان کوئی اور کھڑا نہ ہو سکے۔ شروع میں میں نے رائے دی تھی کہ وہ اپنے شوہر سے کچھ نہ کہے۔ چند دن میں خود بخود سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا مگر بات کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہمیشہ صدر دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے۔ اگر بھاوج نظر آجائے تو وہ وہیں بیٹھ جاتا ہے، اور وہیں جوتے اتارتا ہے اور نوکر سے چپل منگا کر پہنتا ہے اور اس سے باتیں کرتا رہتا ہے جیسے اُسے یہ احساس

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ہی نہیں کہ گھر میں کوئی اور بھی ہے۔ ہاں اگر راستے میں کوئی نہ ملے تو وہ سیدھا اپنے کمرے میں آجاتا ہے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہو تو دیورانی وہیں سامنے نہ ہو۔ اُس نے کہا: "تم یقین نہیں کرو گی کہ اُسے میرے میاں کی نقل و حرکت کا کس حد تک پتہ ہے۔ اگر وہ کسی وقت سامنے نہ ہوں اور کوئی مجھ سے پوچھے کہ وہ کہاں ہیں تو وہ میرے جواب دینے سے پہلے فوراً بتاتی ہے کہ غسل خانے میں یا باہر کھڑے ہیں، لیٹے ہیں یا سو رہے ہیں۔"

"اور کوئی بات؟" میں نے پوچھا۔

"اگر کبھی وہ اشارۃً کہہ دے کہ فلاں پکچر لگی ہوئی ہے تو ہم پر وہ پکچر دیکھنی فرض ہو جاتی ہے۔ اگر کبھی پکنک کا ذکر کر دے تو ضروری سے ضروری کام چھوڑا جا سکتا ہے۔ مجھے ایک کام کے لئے سینکڑوں دفعہ کہنا پڑتا ہے اور بھولنے پر وہ ہر مرتبہ اپنے حافظے کو روتے ہیں مگر مجھے یاد نہیں کبھی دیورانی کو کوئی بات دوبارہ کہنی پڑی ہو۔ یہ ایک دو، دس دفعہ کی بات نہیں۔ ہر مرتبہ یہی ہوتا ہے۔ میں پورے پورے سوئٹر بُن کے پھینک دیتی ہوں۔ وہ کبھی دیکھتے بھی نہیں۔ مگر اس کے ہاتھ میں اون سلائیاں دیکھ کر فوراً پوچھتے ہیں "یہ کیا بُن رہی ہو؟" سلائی کر رہی ہو تو مشین کے پاس جا کر اچھی طرح چیز کا معائنہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر اعتراض کیا جا سکے مگر سوچو اس وقت میرے دل پر کیا گزرتی ہے جب اپنے ساتھ لائے گئے کپڑے اور آنکھوں کے سامنے سی جانے والی قمیض کو پہنے دیکھ کر وہ حیرت سے پوچھتے ہیں۔

"یہ کب بنائی تم نے؟"

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں اتنی چھوٹی کہ کسی کے سامنے کہی جائیں تو آدمی پاگل بن جائے مگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں نے اسے جس طرح گھلایا تھا یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تمھاری دیورانی اور دیور کے تعلقات کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں۔ وہ مشہور ڈاکٹر ہیں۔ گھر میں کم ہی ٹکتے ہیں۔ جتنی دیر رہتے ہیں اچھی طرح رہتے ہیں۔ ان کے سامنے بھی یہ دونوں اسی طرح باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک فٹ کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

فاصلے پر کھڑے رہتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کے سامنے بھی یہ فاصلہ چھ انچ رہ جاتا ہے چیزوں کے لین دین، باتیں اور کسی معمولی چیز کے توسط سے نظروں کی ڈور اسی طرح بندھی رہتی ہے کبھی وہ خود بھی باتوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو انھیں دیکھ کر یہ احساس نہیں ہوتا کہ انھیں کچھ محسوس ہو رہا ہے۔ سچ پوچھو تو ان کی بے حسی دیکھ کر اور جی جلتا ہے۔"

"کہیں یہ بات تو نہیں کہ دیور جی تمھاری طرف توجہ نہیں کرتے اس لئے تمھارے دل میں حسد پیدا ہو گیا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ وہ تو مجھ سے اچھی طرح بولتے ہیں مگر میں ہی روکھی پڑ جاتی ہوں۔ ان کی بیوی کی حرکتوں نے مجھے ان سے بیزار کر دیا ہے۔ سچ پوچھو تو اب میرا ہنسنے بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

"تم نے اپنے میاں کو یہ بات کبھی جتائی؟"

"شروع میں تو تمھارے کہنے کے مطابق میں نے کچھ نہیں کہا۔ مگر آہستہ آہستہ دو ایک دفعہ اشارے کئے جنھیں وہ صاف ٹال گئے۔ پھر ایک دن میں نے صاف الفاظ میں پوچھا کہ کیا انھیں یہ احساس ہوتا ہے کہ دیورانی اٹھتے بیٹھتے توجہ ان کی طرف رکھتی ہے اور ہر بات انھیں کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔ تو انھوں نے نفی میں سر ہلایا اور جلدی سے باہر چلے گئے۔"

"پھر؟"

"پھر میں ذرا ان سے کھنچی کھنچی رہنے لگی مگر انھوں نے اس کا بالکل نوٹس نہ لیا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انھیں کچھ اطمینان ہوا ہو۔ اب وہ زیادہ آسانی سے اور زیادہ جلدی اس کمرے سے جا سکتے تھے اور زیادہ دیر باہر رہ سکتے تھے۔ ظاہر ہے جب بیوی سیدھے منہ بات نہ کرے تو اس کے حضور میں کون حاضر ہے"۔

"یہ تم نے بڑی غلطی کی۔" میں نے کہا "تمھیں تو اپنی محبت، اپنا التفات بڑھا دینا چاہئے تھا تاکہ وہ کوئی ایسا کام کرتے ہوئے جھجکتے جس سے تمھیں تکلیف ہوتی۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"یہ کوشش بھی میں نے کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ میرے التفات سے خوش ہو کر میرا گال تھپتھپاتے ہوئے جاتے اور باہر نکلتے ہی پھر وہی تیں۔ سب کا ریں اکٹھے جا رہے ہیں۔ دونوں بھائیوں میں سیاست پر گرما گرم بحث ہو رہی ہے کہ دیورانی نے یوں ہی کہا "ارے یہ کیسا مکان"! فوراً ان کی نظریں بٹیں اور مکان زیر بحث آ گیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی انھیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ بات کسی دوسرے موضوع پر ہو رہی تھی۔ اگر بھائی نے پھر بات چھیڑ دی تو موضوع پھر چل نکلا ورنہ ختم ہو گیا۔ تم نے مجھے بتایا تھا کہ میرا وہم ہو سکتا ہے۔ میں خود بھی چاہتی تھی کہ یہ واہمہ ثابت ہو جائے تو میں اپنے دل کو اس دن رات کے صلیبی دکھ سے بچا لوں مگر کیا کروں کہ جتنا وہم کے بہانے ڈھونڈتی ہوں بات تلخ حقیقت بن کر دل و دماغ پر چھاتی چلی جا رہی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ کچھ تم ہی بتاؤ۔" اس نے مجھے رحم طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"ارے تم کیوں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں خود کو گھلاتی ہو—— تم تو فنکار ہو، اونچی ہو، اچھی اچھی بڑی بڑی باتوں پر غور کیا کرو۔ یہ دھرتی کی نیچ باتیں نیچی عورتوں کو ہی زیب دیتی ہیں۔ تمھارے پاس تو وہ چیز ہے جس میں زندگی کا بڑے سے بڑا دکھ پل بھر میں بھول جاتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں نے بھی اپنے دل کو بار بار یہ کہہ کر سمجھایا ہے کہ میں مہان ہوں، یہ نیچی باتیں تنگ نظر عورتوں پر سجتی ہیں۔ جب میں اپنا ستار لے کر ریاض کرنے بیٹھتی ہوں اور باہر سے ایک مشترکہ قہقہہ بلند ہوتا ہے تو جھن سے میرے سارے اونچے آدرش زمین پر آ گرتے ہیں۔ میرا من ستار میں نہیں لگتا۔ میری انگلیاں بھٹکنے لگتی ہیں۔ ہنسی کی جھنکار میرے دل پر چوٹ کی طرح پڑتی ہے۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ یہ ہنسی اتنی معمولی بات پر ہو گی جس پر کوئی شخص مسکرا تو لے مگر ہنس نہیں سکتا۔ مثلاً چھپکلی کے الٹے لٹکے ہونے پر یا کسی چیونٹے کی اٹنگی چال پر یا کسی بچے کے غلط جوتے پہن لینے پر۔ جب وہ اکٹھے ہوتے ہیں تو انھیں بہت چھوٹی باتیں بھی ہنسی کے قابل معلوم ہونے لگتی ہیں۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"تمھارے دیور اور دیورانی کی شادی پسند کی شادی تھی؟"

"نہیں، ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ سنا ہے دیورانی کی ایک منگنی ٹوٹ چکی تھی۔"

"تمھارے میاں کے دوستوں کا حلقہ وسیع ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"وہ تمھارے فینز سے جلتے ہیں؟"

"کہتے تو نہیں ہیں —— ہاں جب کبھی کوئی اشارہ ان کی حرکتوں کا دیتی ہوں تو انھیں بہانہ مل جاتا ہے۔ اس وقت وہ سنا سنا کر کہتے ہیں کہ میرے ہزاروں پرستار ہیں، خط وغیرہ بھی آتے ہیں۔"

"یہ تو تمھیں خود بھی سوچنا چاہیے کہ تمھارے فن کے ہزاروں گرویدہ ہیں۔ اگر ایک شخص کسی کی شخصیت میں کشش محسوس کرتا ہے تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔"

"فن اور شخصیت کی کشش میں فرق ہوتا ہے نا —— پھر میں نے ہر جگہ ایک حد قائم رکھی۔ آج تک میں نے کسی کو اپنے سے زیادہ نزدیک کھڑے تک ہونے کی اجازت نہیں دی۔ ضرورت سے زیادہ آگے بڑھنے والے کو فوراً ٹوک دیا اور کبھی کسی ایک شخص کے لیے کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ یہی حد بندی میں چاہتی ہوں۔ مجھے دیورانی سے شکایت نہیں۔ اگر ان کا رویہ ہر ایک سے یہی ہوتا تو شاید مجھے احساس بھی نہ ہوتا یا اگر کبھی وہ میرے سامنے اس کی بات جواب نہ دیتے۔ کسی ایسی بات کا جو خاص طور سے انھیں مخاطب کر کے نہیں کہی گئی ہو، مگر جس کا جواب دینا انھوں نے ہمیشہ اپنے اوپر فرض سمجھا ہو۔ کبھی نرمی سے اس کی بات رد کر دیتے، کبھی اس کا کام بھی بھول جاتے یا اس کے زیادہ نزدیک کھڑے ہونے پر آہستہ سے پیچھے سرک جاتے۔ بے چارگی اور میرے ڈر سے نہیں بلکہ اسے جتانے کے لیے کہ یہ حد بندی ہر حالت میں ضروری ہے تو سچ کہتی ہوں مجھے کوئی گلہ نہ ہوتا۔"

"اور ٹھہرو!" میں نے اسے ٹوکا —— "کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تمھارے ڈر سے انھوں نے اس سے الگ ہونے کی کوشش کی ہو؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"ہاں کبھی کبھی ایسا ہوا ہے۔ جب میں اُن کی طرف زیادہ ملتفت ہوئی تو تمہارے کہنے کے مطابق میرے صدمے کے خیال سے یا ڈر سے انھوں نے یہ کوشش بھی کی۔ مگر دن بھر میں صرف ایک بار۔ اس کی طرف فوراً مخاطب نہ ہونے پر ان کو اپنے اوپر جو جبر کرنا پڑتا تھا وہ صاف نظر آتا تھا۔ ان کے چہرے پر جو کرب ہوتا تھا وہ شاید شہید کے چہرے پر شہادت کے وقت ہوتا ہو۔ اگر کبھی شعوری طور پر وہ اس سے ایک قدم سرک گئے ہیں تو رات بھر ایک عجیب قسم کی بے چینی طاری رہی ہے جو میرے دل کو زیادہ دکھاتی ہے۔ جب وہ دن بھر اس سے باتیں کرتے ہیں تو رات کو میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جس دن وہ میری خاطر اس سے علٰحدہ رہنے کی سعی کرتے ہیں، اس رات ان کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ وہ میرے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ اخبار اور سگرٹ میں کھوئے کھوئے چپکے سے سو جاتے ہیں۔ ساری رات دوسری طرف کروٹ لیے رہتے ہیں اپنے جسم کو مجھ سے چھو جانے سے یوں بچاتے ہیں جیسے مجھے کوڑھ ہو اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ چین سے سو نہیں سکتے۔ تم ہی بتاؤ ان کا یہ کرم مجھے کیا بھاری پڑتا ہے۔ کیا میں یہ خیال دل سے نکال سکتی ہوں اور مجھ سے اسی صورت میں خوش رہیں گے جب تک انھیں اس سے بات کرنے کی آزادی ہوگی ورنہ —— میں انکی نگاہوں میں ایک ذلیل اور مقہور ہستی ہوں جس سے کسی قسم کا واسطہ رکھنا انھیں گوارا نہیں۔"

"ان کی بہنیں ہیں؟"

"ہاں، دو۔"

"ان کے ساتھ رویہ کیسا ہے؟"

"عام سا، کبھی کبھار چلے گئے۔ آگئیں تو دو چار باتیں کر لیں۔ اکثر ان لوگوں کے موجود ہوتے ہوئے کبھی اپنے کسی کام سے چلے جاتے ہیں۔ ان کی ہر بات کا جواب دینا بھی ان پر فرض نہیں ہوتا اور ان کے ہوتے ہوئے بھی یہ اٹوٹ رشتہ قائم رہتا ہے۔"

"تمھاری دیورانی کی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

" شکل تو تم نے دیکھی ہے۔ معمولی گھرانے کی کم پڑھی لکھی لڑکی ہے۔"

" سہیلیاں وغیرہ ہیں؟"

" کوئی خاص نہیں۔"

" کسی بات کا شوق ہے؟"

" صرف باتوں کا۔"

" میں سمجھ گئی۔"

" کیا۔؟"

" تمھارے شوہر اور تمھاری دیورانی دونوں احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔ تم کا لنگ ہو۔ بقول تمھارے میاں کے ہزاروں پرستار ہیں۔ تمھارے دیور مشہور سرجن ہیں۔ ہزاروں مریض ان کے مدّاح اور گرویدہ ہیں۔ ایسے میں تمھارے شوہر اور دیورانی خود کو کم مایہ اور بیچارہ محسوس کرتے ہیں۔ یہی مشترکہ صفت دونوں کو قریب کھینچ لائی ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو ضرورت سے زیادہ لفٹ دے کر اپنی کم مائگی کا مداوا کر رہے ہیں اور ممکن ہے ایک طرح سے غیر شعوری طور پر یہی تم دونوں کو جلا بھی رہے ہوں۔ جب تم ان کے اس دراصل "آؤٹ لیٹ" میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتی ہو تو انھیں تکلیف ہوتی ہے اور انھیں شعوری طور پر یہ احساس ہو جاتا ہے کہ سینکڑوں لوگ تمھارے مدّاح ہیں۔ یہ ان کا اپنا حسد ہے جو اس روپ میں جلوہ گر ہوا ہے اور تم ——— انھیں اس کے لئے موردِ الزام بھی نہیں ٹھہرا سکتیں۔ یہ بھی آخر انسانی فطرت ہی کا تقاضا ہے کہ دو مظلوم ——— " میں ہنسی۔

وہ میری باتوں کو غور سے سنتی رہی پھر بولی " شاید یہ بات ٹھیک ہے کیونکہ مجھے کئی مرتبہ احساس ہوا ہے کہ اگر پہلے ہو بھی تو کم از کم دیورانی کی حد تک یہ حالت غیر شعوری نہیں رہی ہے۔ پہلے شاید انھیں یہ احساس نہ ہو کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے نزدیک کھڑے ہوتے ہیں یا آپس ہی میں مخاطب رہتے ہیں۔ مگر اب وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی ہے۔ وہ باہر نکلیں تو وہ میرے سامنے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

جھانک جھانک کر انھیں دیکھتی رہتی ہے۔ دفتر سے آنے کا وقت ہو تو جان بوجھ کر سامنے کھڑی رہتی ہے اور مجھ سے جب بھی کوئی بات پوچھتی ہے ان ہی کے متعلق اور خوشی اسے دراصل ان سے بات کر کے نہیں ہوتی بلکہ میرے اُلجھنے سے، میرے اُڑے رنگ سے، میری وحشت اور میری جلن سے ہوتی ہے، جیسے وہ جتا رہی ہو کہ تمھارے لاکھوں پرستار سہی مگر جس کو تمھارا ہونا چاہیے وہ تمھارا نہیں ہے۔ اور اس لحاظ سے تم مجھ سے کمتر ہو۔"

"اس کا ایک ہی علاج ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"تم یہ ظاہر کرو۔ جیسے تمھیں اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اگر وہ گھنٹوں ان سے باتیں کرتی رہے تو تمھیں احساس بھی نہ ہو گا۔ نزدیک کیا اگر وہ ان کی گود میں بھی بیٹھ جائے تو تمھیں فکر نہ ہو گی۔ اس کے حملے کا یہی توڑ ہے۔"

"اس بات کی کوشش تو میں ہزاروں دفعہ کر چکی ہوں۔ اسے احساس دلانے کے لیے بھی اور خود اپنی تسلّی کے لیے بھی میں اپنے آپ سے کہتی ہوں، جب ان کے درمیان کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے تو مجھے فکر کیوں ہو۔ مگر کیا کروں کہ دل کو ہزار سمجھانے کے باوجود مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ وہ مجھ سے ہر وقت ان کی باتیں کرتی رہے۔ ٹیلی فون پر ان سے باتیں کرے اور قہقہے لگائے۔ اور مجھے مجبور کر کے وہاں لے جائے جہاں جانے کا پروگرام ان دونوں نے بنایا ہو۔ زبان سے نہ کہوں تو چہرے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ لاکھ کوشش کے باوجود میں خود پر قابو نہیں پا سکتی۔ نہیں پا سکتی۔"

"تو یوں کرو کہ تم بھی دیور جی کے ساتھ وہی رویّہ رکھو جو وہ تمھارے میاں کے ساتھ رکھتی ہے۔ چند دن میں اس کے مزاج ٹھکانے آجائیں گے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم اس سے کہیں زیادہ موضوعات پر اور بہتر گفتگو کر سکتی ہو۔"

"مگر میں اپنی طبیعت کے خلاف کوئی کام کسی طرح نہیں کر سکتی۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"تو پھر کیا ہو سکتا ہے، سوائے اس کے کہ جب تم ایسی صورت حال دیکھو چکے سے، آہستہ سے وہاں سے الگ ہٹ جایا کرو۔ خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھو اور سوچ لیا کرو کہ جو چیز نظروں کے سامنے نہیں ہو رہی۔ وہ بالکل نہیں ہو رہی۔ یہ کر سکتی ہو؟"

"کوشش کروں گی۔"

"اور دیکھو، دیور جی سے شعوری طور پر الگ رہنے کی ضرورت نہیں۔ آخر وہ تمھارا دیور ہی۔ بھائی کے برابر ہے۔ تم اس سے باتیں کرو۔ ہو سکتا ہے اسی طرح تمھاری دیورانی کو کچھ احساس ہو جائے یا آہستہ آہستہ حالات نارمل ہو جائیں۔"

"اچھا" اُس نے اپنے کمزور زرد ہاتھوں سے میرے ہاتھ تھام لیے۔ "تمھیں نہیں معلوم تمھاری باتوں سے کتنا سہارا ملتا ہے۔ ایک دفعہ تو لگتا ہے جیسے کانٹا نکل گیا۔ کسی سے اپنے دل کی بات کہہ دینا بھی کتنی بڑی بات ہے، ورنہ تم جانتی ہو ایسا کلمہ نکالنا ہی نکّو بن جانے کے برابر ہے۔"

وہ میرے گلے سے لگی۔ میں نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ اُس کے چہرے پر ایک سکون سا تھا۔ جیسے واقعی اُسے کچھ اطمینان ہو گیا ہو۔

وہ پھر کئی مہینوں کے لئے غائب ہو گئی۔ جانے کیوں مجھے خیال تھا جیسے اب حالات سُدھر جائیں گے۔ تین سال ایک غیر فطری طرزِ احساس کے مرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ ان کو ساتھ رہتے ہوئے تین سال سے اوپر ہو چلے تھے۔ ایک دن اچانک وہ پھر آئی۔ اب تو وہ ہلدی کی گانٹھ تھی۔ اس کے گالوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آتے ہی اس نے اپنا یخ ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولی "خدا کے لئے بتاؤ میں کیا کروں"؟ اور وہ زار و قطار رونے لگی۔ بات ضرور ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ شاید اُس کے شوہر اور دیورانی زبانی ہمدردی اور گفتگو سے نکل کر کچھ اور آگے بڑھ گئے تھے۔ واقعی یہ ممکن بھی تھا۔ اس کا خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ کوئی بھی چیز، کوئی بھی احساس، کوئی بھی جذبہ جامد نہیں ہوتا۔ گھٹتا ہے یا بڑھتا ہے۔ عین ممکن ہے اُن کا احساسِ کمتری اور جذبۂ ہمدردی بڑھ کر جڑ پکڑ گیا ہو۔ اور صورت حال نازک ہو گئی ہو۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"جو تم نے کہا تھا میں نے وہی کیا۔" وہ اپنے آنسو پونچھ کر بولی۔ "میں نے ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ میں نے میوزک کلاس جوائن کر لی۔ دیور جی سے زیادہ باتیں شروع کر دیں۔ اکثر جب وہ کسی مریض کو دیکھنے جاتے تو مجھے یونیورسٹی تک چھوڑنے کو ساتھ لے لیتے۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ انھیں بھی اپنی بیوی کی حرکتوں کا احساس ہے، مگر وہ اتنے بڑے، اتنے گمبھیر ہیں کہ کسی کو رتی برابر شبہہ نہیں ہونے دیتے۔ ان کی بے چینی کبھی کبھار ان کی زبان پر آجاتی تھی۔ ایک دفعہ انھوں نے کہا "جیٹھ بھابی اور دیور بھابی کے رشتے اتنے مقدس کیوں سمجھے جاتے ہیں؟" بعض دفعہ ایسی باتیں ان کی زبان سے نکل جاتیں۔ ان لوگوں کے سامنے کبھی نہیں، صرف میرے سامنے کبھی کبھی وہ کھو جاتے۔ ان کی آنکھیں دھندلی ہو جاتیں۔ مجھ سے زیادہ ان کے غم کو کون سمجھ سکتا تھا۔ مگر کبھی ہم دونوں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی بلکہ اس قصّے کو درمیان میں نہ آنے دینے کے لئے ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے۔ وہ میری میوزک کلاس میں آن کر بیٹھ جاتے۔ بیٹھے میرا سنگیت سنتے رہتے۔ گھر پر بھی میں کبھی گا بجا رہی ہوتی تو چپکے سے آکر بیٹھ جاتے۔ معلوم ہوتا جیسے وہ بھی ان دونوں کو زیادہ سے زیادہ دیر اکٹھا چھوڑ دینے کے قائل ہوگئے ہوں کہ شاید آگ یوں ہی خود بخود جل کر بجھ جائے گی مگر—"

دفعتہً وہ منہ چھپا کر رو پڑی۔ مجھے کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ وہ یہی کہنا چاہتی تھی کہ وہ آگ بُجھی نہیں بھڑک اٹھی اور اس کی ذمّہ دار تم ہو۔

جب خاصی دیر تک وہ کچھ نہ بولی تو میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "کیوں کیا ہوا؟"

اس نے اپنے بلاؤز میں ہاتھ ڈال کر ایک پرچہ نکالا اور میرے سامنے رکھ دیا۔ "آج دیور جی نے مجھے یہ پرچہ دیا ہے بتاؤ اب میں کیا کروں؟"

وہ میرے بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے پرچے کو غور سے دیکھا۔ اس پر لکھا تھا "خدا کے لئے کچھ کرو، میں تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

بلّو بیدل

مسیحا

وہ ایک بدنام آرٹسٹ تھا اور اس کا نام کشن تھا۔ لیکن وہ کشن سے جیکسن کیسے بنا، یہ ایک المناک حادثہ ہے اسے ایک الجیرین لڑکی سے محبت تھی۔ جس کا نام جیکی تھا۔ اسے جیکی سے اس قدر محبت تھی کہ اس کے جسم کی حرارت اس کی روح میں جذب ہو چکی تھی۔ اچانک الجیریا اور فرانس میں جنگ چھڑ گئی۔ جیکی الجیریا چلی گئی اور اپنے ملک کی خاطر شہید ہو گئی۔ کشن نے تنہائی اور آوارگی کو گلے لگا کر آرٹسٹ جیکسن کو جنم دیا ــــــ لیکن لوگوں کو کہنا تھا کہ وہ آرٹسٹ نہیں بلکہ فراڈ ہے۔ وہ یونہی کہتا پھرتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا آرٹسٹ ہے اس نے آج تک کوئی تصویر نہیں بنائی۔ اس نے جب بھی کسی کا Portrait بنانے کی کوشش کی ہے۔ اسے مکمل نہ کر سکا اور اگر مکمل کیا بھی ہے تو اسے نامکمل سمجھ کر پھاڑ دیا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر آرٹسٹ کا حلیہ بنا رکھا ہے۔ لمبے لمبے بال، بکھری ہوئی داڑھی، میلے کچیلے کپڑے، پھٹے پرانے جوتے، جن کے تسمے ہمیشہ کھلے رہتے تھے کندھے پر تھیلا جس میں بورڈ، کاغذ اور چند پنسلیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ وہ یونہی پاگلوں کی طرح بھٹکتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگوں کی ہمدردی جیت سکے۔ اور ان کے سر پر زندہ رہ سکے ــــــ لیکن میری عقل کچھ بھی ماننے کو تیار نہ تھی۔ جیکسن کے خیالات و نظریات نے میرے ذہن پر ہمیشہ گہرا اثر کیا تھا اس نے زندگی کا بڑا صحیح تجزیہ کیا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ دنیا بڑی ذلیل ہے۔ یہاں دل، دماغ اور ضمیر بکتے ہیں۔ انسانوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

وہ جب بھی مجھ سے ملتا، اس پر عجیب سی دیوانگی طاری رہتی تھی اس کی آنکھیں ہر پل کچھ نہ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کچھ تلاش کرتی رہتی تھیں میرے ادبی دوست اسے Mental case مینٹل کیس سمجھتے تھے اور اسے پاگل اور ابنارمل Abnormal کہا کرتے تھے۔ کیونکہ اس کی بہکی بہکی باتیں کسی کی سمجھ نہ آتی تھیں۔ کئی مرتبہ تو میں بھی احمقوں کی طرح اس کا منھ دیکھتا رہتا تھا۔ لیکن جب کوئی بات میرے پلے پڑ جاتی تو میں کئی دن تک سوچتا رہتا تھا۔

وہ جب بھی مجھ سے ملنے کافی ہاؤس آتا! میرے دوست اٹھ کر چلے جاتے۔ وہ یکلخت اداس ہو جاتا۔ پھر مسکرا کر کہتا۔

"Forgive them, for they know not what they do"

(انھیں معاف کرنا۔ یہ نہیں جانتے یہ کیا کر رہے ہیں)

ایک دن میں فیروز شاہ مہتہ روڈ سے گزر رہا تھا۔ وہ مجھے دور سے دکھائی دیا۔ وہ کسی بھکاری سے بات کر رہا تھا۔ لیکن مجھے دونوں بھکاری نظر آئے۔ میں جب ان کے قریب پہونچا تو اس نے بھکاری کے ہاتھ پر ایک سکہ رکھا اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو جیکسن کیا حال ہے"

لیکن اس نے میری بات کا جواب نہ دیا اور نہ ہی میری طرف دیکھا۔ بلکہ چپ چاپ میرے ساتھ یوں چلنے لگا۔ جیسے مجھے یقین دلا رہا ہو کہ وہ میرے ساتھ نہیں چل رہا ہے بلکہ اکیلا اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مجھے اس کے رویے میں غیر معمولی تبدیلی محسوس ہوئی۔ وہ آنکھیں پھیلائے ہر آنے جانے والے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھار کسی چہرے کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتا اور تیزی سے بڑھ کر اسے قریب سے دیکھتا تھا۔ پھر اس کا چہرہ مایوسی میں ڈوب جاتا اور وہ انکار میں گردن ہلا کر آگے بڑھ جاتا۔ مجھے اس کی حرکتوں پر زبردست غصہ آیا اور میں سوچنے لگا کہ میرے دوست کسی حد تک ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ جیکسن ذہنی طور پر بیمار ہے اور اسے علاج کی ضرورت ہے۔ وہ میرے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر میں اس کی صحبت میں زیادہ دن رہا تو پاگل

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ہو جاؤں گا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ ہر چہرے کو تجسس سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا کھو گیا ہے تمہارا؟"

"مجھے اس چہرے کی تلاش ہے۔ جس کی صورت میں مجھے دنیا کے ہر انسان کی صورت دکھائی دے"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور میں سوچنے لگا عقل بھی انسان کو کیسے کیسے دھوکے دیتی ہے۔ اس کا خیال کتنا خطرناک ہے۔ تصور کتنا غلط ہے۔ یہ تصور اس کے جسم سے خون تک چوس لے گا اور وہ قبر تک پہونچ جائے گا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔"

میرے قدم برف کی طرح جم گئے۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ ساری دنیا کا خون اس کے چہرے پر اکٹھا ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھوں سے شعلے ٹپکنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں مجھے بھسم کر ڈالیں گی۔ اس نے میری چھاتی پر زور سے ہاتھ مارا اور کہا۔

"میری زندگی کی ڈکشنری میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ لیکن دو قدم چل کر رک گیا اور الٹ کر کہا۔

"اگر مجھے وہ مخصوص چہرہ نہ ملا تو میں خدا کی تصویر بناؤں گا۔"

میں نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا۔ لیکن اس نے مڑ کر نہ دیکھا اور بھیڑ میں گم ہو گیا۔

ایک ماہ کے بعد وہ مجھے کافی ہاؤس میں ملا۔ وہ کافی کمزور ہو گیا تھا اور جسم سے گوشت کافی ڈھل گیا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر ویسی ہی چمک تھی اور آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں اس نے بیٹھتے ہی آس پاس کے لوگوں کو تجسس سے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ عادت اس کی زندگی کا اہم مقصد بن چکی ہے۔

"جیکسن تمہارا گھر کہاں ہے؟"

اس نے دائیں ہاتھ سے ہوا میں ایک دائرہ بنایا اور کہا۔

"یہ ساری دنیا میری ہے اور میں ساری دنیا کا ہوں۔ دنیا کا ہر گھر میرا ہے اور ہر در میرے لئے کھلا ہے"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اس رات میں دو بجے تک ایک افسانہ لکھتا رہا۔ میں کمرے کی بتی بجھا کر لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ جیکسن ہونٹوں میں سگریٹ دبائے کھڑا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "چلو"

"کہاں؟"

"قبرستان"

میں نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور کہا۔ "پاگل ہو گئے ہو۔ قبرستان اور اس وقت!"

"ہاں۔ وہاں خدا میرا انتظار کر رہا ہے۔ وہ قبر پر لیٹا سو رہا ہے۔ میں اس کی تصویر بناؤں گا"

مجھے بجلی کا جھٹکا لگا اور مجھے محسوس ہوا کہ اس کی دیوانگی پاگل پن کی حدوں کو چھو گئی ہے۔ میں نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ بضد تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ صبح چلیں گے لیکن وہ چیخ پڑا۔

"تم تھرڈ ریٹ افسانہ نگار ہو۔ یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا رات کے اندھیرے میں وہاں آتا ہے اور صبح کے اجالے میں چلا جاتا ہے"

تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے جان بوجھ کر اس کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ "لیکن ———"

"تم میری روح کا کرب نہیں سمجھو گے۔ تم بھی شاید میرے دوست نہیں ہو"

وہ یہ کہہ کر تیزی سے زینہ اترنے لگا۔ میں نے اسے روکنا چاہا۔ لیکن وہ جلد ہی اندھیرے میں گم ہو گیا۔ میں رات بھر اس کے بارے میں سوچتا رہا اور اس کے الفاظ "تم بھی شاید میرے دوست نہیں ہو،" کانٹے کی طرح سینے میں کھٹکتے رہے۔

صبح میں قبرستان پہونچا تو مجھے پوری امید تھی کہ وہ کسی قبر پر سویا ہوا ملے گا۔ لیکن قبرستان سنسان و ویران تھا۔ قبروں پر پیڑوں کے سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ہر قبر خاموش تھی اور جیکسن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ لیکن ایک قبر کے قریب پہونچ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ قبر تازہ تھی اور اس پر (Portrait) کے چند ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے شاید وہ مرنے والے کی تصویر تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک ٹکڑا اٹھایا اور سمجھ گیا کہ جیکسن کو مرنے والے نے بھی مایوس کیا ہے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

چند دنوں کے بعد وہ مجھے ایک رات شراب کے اڈے پر ملا۔ وہ ایک کونے میں بیٹھا نہایت ہی سستی
شراب پی رہا تھا۔ لیکن اس کی نظریں سی آئی ڈی انسپکٹر کی طرح چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔
وہ ہر گلاس کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کسی گلاس میں آنکھ ملانے کی جرأت نہیں تھی۔ جیکسن مجھے دیکھ
کر چونک پڑا اور اپنا تھیلہ و گلاس اٹھا کر میرے پاس آگیا۔ میں نے ازراہ مذاق کہا۔

"کیوں جیکسن خدا کی تصویر مکمل ہوئی یا نہیں؟"

اس کے چہرے پر آگ لگ گئی۔ اس نے گلاس ایک ہی گھونٹ میں ختم کیا اور کہا۔

"خدا دنیا کا سب سے بڑا فراڈ ہے۔ اس نے خود کو قدرت کی ہر شے میں بانٹ دیا ہے۔ وہ
ہراکائی میں موجود ہے۔"

اور وہ دو روپے کا نوٹ میز پر رکھ کر میخانے سے چلا گیا۔ میں نے اسے روکنا مناسب نہ
سمجھا۔ کیونکہ میں اس کی عادت سے واقف ہو چکا تھا۔

ایک شام میں اپنے دوستوں کے ساتھ جہانگیر آرٹ گیلری میں بیٹھا تھا۔ باہر بارش ہو رہی
تھی۔ ہم کسی سیاسی موضوع میں الجھے ہوئے تھے۔ اچانک جیکسن ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔
وہ سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا تھا پانی اس کے کپڑوں سے ٹپک رہا تھا اور وہ سردی سے کانپ رہا
تھا۔ وہ ہمارے قریب آیا اور جان بوجھ کر میرے دوستوں کو نظر انداز کیا جیسے ان کی کوئی وقعت
نہ ہو۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"تم نے کبھی زہر چکھا ہے۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور میں منھ لٹکائے سوچنے لگا کہ وہ زندگی کے زہر
کی بات کر رہا ہے جسے وہ پیدائش کے دن سے چکھ رہا ہے۔ اور وہ زہر اس کے دل، دماغ اور جسم میں
پھیل چکا ہے جس کا علاج و انجام صرف موت ہے۔ میں نے جواب دینے کے لئے گردن اٹھائی۔
لیکن وہ ریسٹورنٹ سے باہر جا رہا تھا۔ میرے دوست ہنس رہے تھے اور ان کی نظریں کہہ رہی
تھیں کہ اسے پاگل خانے میں بھرتی کروا دو۔ مجھے ان پر زبردست غصہ آیا اور دل کہنے لگا کر

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ایک ایک کا سر پھوڑ دوں۔ ویسے تو وہ خود کو چیخوف، مام، کاموں دائلڈ سمجھتے ہیں. لیکن ایک آرٹسٹ کی ذہنی کیفیت کا تجزیہ نہیں کر سکتے۔ اس کی روح کے کرب کو نہیں سمجھ سکتے.. میں فوراً اٹھا اور باہر کی طرف بھاگا. لیکن جب میں باہر پہونچا تو وہ بارش میں بھیگتا ہوا سڑک پار کر رہا تھا۔

وقت کی گھڑی کی سوئیاں گھومتی رہیں۔ دو مہینے گزر گئے. لیکن وہ مجھے نہ ملا نہ جانے وہ کس جہان میں کھو گیا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں تشویش ہونے لگی. میں نے اسے کافی تلاش کیا. لیکن مجھے ہر گوشے سے مایوسی ہوئی اس دوران مجھے کسی نے بتایا کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر چلا گیا ہے میں سمجھ گیا کہ اس کے بے چین روح نے اسے کچھ کہ لگتے ہوں گے اور وہ آرزو کا غلام بن کر اس سفر پر چل پڑا ہوگا۔ جس کا کوئی انت نہیں میں جانتا تھا کہ اس کا تصور کبھی پورا نہیں ہوگا۔ وہ یونہی بھٹکتا بھٹکتا موت کے غار میں پہونچ جائے گا اور اس کی لاش پر آنسو بہانے والا بھی نہ ہوگا۔

چند مہینوں کے بعد میں نے صبح کے اخبار میں پڑھا کہ ایک آرٹسٹ کو سرحد پر گرفتار کیا گیا ہے آرٹسٹ کا نام جیکسن ہے۔ وہ بنا پاسپورٹ سرحد پار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے ہاتھوں میں اخبار کانپنے لگا۔

بارڈر سیکیورٹی فورس نے جب پاسپورٹ مانگا۔ تو اس نے چلا کر کہا۔

"مجھے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں۔ میں آزاد پنچھی ہوں۔ یہ ساری دنیا میری ہے۔"

افسروں نے اسے پاگل سمجھ کر گرفتار نہ کیا اور واپس بھیجنا چاہا۔ لیکن وہ چیخ پڑا۔

"تم سرکاری کتے ہو۔ تم مجھے نہیں روک سکتے۔ تم لوگوں نے دھرتی کے ٹکڑے کئے ہیں. دلوں کے ٹکڑے کئے ہیں۔ انسانیت کو کینسر کا مریض بنایا ہے۔ تیسری جنگ میں ساری دنیا تباہ ہو جائے گی اور تمھارا وجود بھی مٹ جائے گا۔"

افسر ہنس پڑے اور اسے زبردستی واپس بھیج دیا۔ وہ پنجاب، دہلی، آگرہ، بڑودہ، احمد آباد سے ہوتا ہوا ہر چہرے کو قریب سے دیکھتا ہوا بمبئی پہونچ گیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ایک رات میں ایروز سینما کے آگے سے گزر رہا تھا۔ اچانک مجھے وہ دکھائی دیا۔ وہ فٹ پاتھ پر کھڑا آسمان کو گھور رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ کمزور ہو گیا تھا۔ اس کی کمر میں ہلکا سا خم بھی پڑ گیا تھا۔ چہرے سے چمک غائب ہو گئی تھی بال بڑھ کر گردن کے نیچے لٹک رہے تھے اور ڈاڑھی کہیں کہیں سے سفید ہو گئی تھی۔ پیروں سے جوتے غائب تھے۔ میں نے آہستہ سے سرگوشی کی، "جیکس۔"

وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ تھک ہار کر بوڑھا ہو گیا ہے اور اسے شکست کا احساس ہونے لگا ہے۔"

"کب تک بھٹکتے رہو گے؟"

"جب تک سنبھلوں گا نہیں۔"

"کب سنبھلو گے؟"

"جب بھٹکنا چھوڑ دوں گا۔"

"تم بھٹکنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ خود پر ایک نظر ڈال کر دیکھو۔ تمھاری آرزو نے تمھیں ہڈیوں کا پنجر بنا دیا ہے۔ تم ایک جگہ ٹک کر کام کیوں نہیں کرتے۔"

"تم واقعی تھرڈ ریٹ افسانہ نگار ہو۔ یہ بھی نہیں جانتے کہ جمود موت ہے اور حرکت زندگی۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"مجھے بھوک لگی ہے۔ گے لارڈز میں کھانا کھلاؤ۔"

ہم دونوں چلنے لگے۔ میں سوچنے لگا گے لارڈ بمبئی کا بہت بڑا ریسٹورنٹ ہے۔ لوگ اسے میرے ساتھ دیکھ کر میرا بھی مذاق اڑائیں گے۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔"

میری روح کانپ گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ دوسرے کے دل کی بات جان لیتا ہے اسے اس کام میں مہارت حاصل ہے۔ میں نے فوراً معافی مانگ لی اور اس کے بازو میں بازو ڈال کر گے لارڈ کی طرف

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

چل پڑا۔

ہم گے لارڈ میں داخل ہوئے۔ ہوٹل کی روشنیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ جسم ایک دوسرے سے چپکے ہوئے ناچ رہے تھے۔ کئی نگاہیں ہمیں گھور رہی تھیں۔ کئی نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ کئی ہنس رہی تھیں۔ کئی مذاق اڑا رہی تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ نگاہیں میرے سینے میں گھستی جا رہی ہیں اور ہمیں زندہ نگلنا چاہتی ہیں۔ جیکسن نے کرسی پر بیٹھ کر چہروں کو غور سے دیکھا۔ پھر اچانک کھڑا ہو گیا اور واپس چلنے کے لئے کہا۔ میں نے حیران ہو کر سبب جاننا چاہا۔

"یہاں بڑا اندھیرا ہے۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

ہم دونوں ہوٹل سے باہر آ گئے ___ ہم کافی دیر تک خاموش چلتے رہے جیسے ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔ ہم دونوں آس پاس کے شور و غل سے بے نیاز اپنی اپنی دنیا میں نہ جانے کیا ڈھونڈتے رہے۔ اچانک وہ ایک ایسے ہوٹل میں گھس گیا جس کی گندگی و غلاظت میں بیان نہیں کر سکتا۔ آس پاس کے لوگوں کو دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ وہ زندہ لاشیں ہیں۔ وہ جس قسم کا کھانا کھا رہے تھے۔ جیل کے کھانے سے بھی بدتر تھا۔ لیکن ہر آدمی نوالہ حلق سے اتار کر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا ___ جیکسن بری طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ بڑے مزے سے جلی و سوکھی ہوئی روٹیاں کھا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ ان سڑی ہوئی روٹیوں کو کھا رہا ہے یا روٹیاں اسے کھا رہی ہیں۔

پھر دیوانے کا تصور ایک دن پورا ہو گیا۔ برسوں کی جدوجہد ختم ہو گئی۔

وہ ایک دن کولابہ سے گزر رہا تھا اور ہر چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں دنیا بھر کے چہرے تھے۔ لیکن وہ چہرہ نہیں تھا جس کی تلاش تھی۔ بھیڑ کا دریا اس کے قریب سے بہہ رہا تھا۔ وہ ایک چہرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا اور خوشی سے اچھلنے لگا۔ اجنبی جب اس کے قریب سے گزرا تو اس نے لپک کر اجنبی کو بازو سے پکڑ لیا۔

"میں کئی برسوں سے تمھاری تلاش کر رہا ہوں۔ تم میرے خدا ہو۔"

اجنبی جیکسن کا حلیہ دیکھ کر بوکھلا سا گیا۔ اس نے جیکسن کو پاگل سمجھا اور کچھ پیسے دے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کر جان چھڑانا چاہی۔

"نہیں نہیں مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔ میں تمھاری تصویر بنانا چاہتا ہوں۔ میں دنیا کا سب سے بڑا آرٹسٹ ہوں۔"

"لیکن۔ مجھے ——"

"میں جانتا ہوں تمھیں آدھے گھنٹے کے بعد کسی سے ملنا ہے۔ لیکن میں صرف پندرہ منٹ لونگا۔"

اجنبی ہکابکا اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمھاری صورت میں مجھے دنیا کے ہر انسان کی صورت دکھائی دے رہی ہے۔ تم اپنی تصویر دیکھ کر مجھے وہ انعام دوگے جو آج تک دنیا کے کسی آرٹسٹ کو نہیں ملا۔"

اجنبی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ کسی حد تک اس کی باتوں سے مرعوب ہو چکا تھا۔ اس نے بہانہ تراش کر کہا کہ اسے تصویر بنوانے کا شوق نہیں ہے لیکن جیکسن اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح اٹل تھا۔ اس نے منت سماجت کی، ہاتھ پاؤں جوڑے اور اسے پارک میں لے گیا۔

پارک سنسان تھا۔ اس نے اجنبی کو بنچ پر بیٹھا دیا اور تھیلے سے بورڈ نکالا۔ اس کا انگ انگ خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس کے جسم کا سارا خون چہرے پر منجمد ہو گیا تھا۔ اس کی پنسل مشین کی طرح چلنے لگی اور انگلیاں پھرتی سے آڑی ترچھی، الٹی سیدھی لکیریں کھینچنے لگیں اجنبی کو انگلیوں کی رفتار پر تعجب ہو رہا تھا۔ جیکسن اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ لال پیلی ہری پنسلیں بورڈ پر ناچ رہی تھیں۔ لکیریں گہری ہونے لگیں اور دائرے پھیلنے لگے۔ پھر ان دائروں سے چہرے کے نقوش ابھر آئے۔

پندرہ منٹ میں تصویر مکمل ہو گئی۔ جیکسن نے فخر سے بورڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اجنبی تصویر دیکھ کر چونک اٹھا اور جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اپنی صورت میں مکار انسان کی صورت دکھائی دی۔ وہ حیران رہ گیا۔ اس نے زاویہ بدل کر تصویر کو پھر دیکھا۔ اس مرتبہ اسے خود غرض لالچی انسان کی صورت دکھائی دی۔ اس کا چہرہ غصے سے بھر گیا۔ اس نے تصویر کو پھر دیکھا۔ اس مرتبہ اسے فریبی دھوکے باز انسان کی صورت دکھائی دی۔ وہ چیخ پڑا۔ پھر

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اسے تصویریں مطلب پرست، مجرم دکھینے انسان کی صورتیں دکھائی دیں۔ اسے محسوس ہوا کہ تصویر اس سے کہہ رہی ہے۔ "تم مکار ہو، خود غرض ہو، لالچی ہو، مطلب پرست ہو جھوٹے ہو، دغاباز ہو، کمینے ہو، فاشسٹ ہو، مجرم ہو۔"

وہ پاگلوں کی طرح جیکسن پر ٹوٹ پڑا۔ اور اسے بے دردی سے مارنے لگا۔ جیکسن نے خود کو بچانے کی بالکل کوشش نہ کی بلکہ ہنستے ہوئے مار کھا رہا تھا۔ اجنبی اسے مارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ چہرے میرے نہیں تمھارے ہیں۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ پوری قوت سے لاتیں اس کے پیٹ میں رسید کر رہا تھا۔ لیکن جیکسن پاگلوں کی طرح ہنس رہا تھا۔ مگر ایک لات اس کی پسلی میں اتنے زور سے پڑی کہ اس لات نے مسیحا کو سولی پر لٹکا دیا۔



دماغین

دماغی کمزوریوں

کی

کامیاب دوا

دماغی کام کرنے والے مثلاً طالب علم، ٹیچر، وکیل، انجنیئروں
کے لیئے ایک تحفہ ہر عمر کے لوگ استعمال کرسکتے ہیں

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

عشرت نقوی

رجّن

رجّن نے ایک چکر بستی کا لگایا مگر اُسے کوئی شخص بھی نظر نہ آیا۔ سکوٹر کی آواز سُن کر ایک دو عورتوں نے دروازوں سے جھانک کر بھی دیکھا مگر کچّے راستوں کی دھول میں وہ سکوٹر پر تیزی سے جاتے ہوئے رجّن کو نہ پہچان سکیں۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ وہ حیران تھا کہ یہ سنّاٹا سا کیوں ہے۔ یہ سب لوگ کہاں گئے۔ مگر تھوڑی دیر میں اُس کی حیرت ختم ہو گئی۔ لوگ بستی کی مسجد سے ایک ہجوم کی صورت میں برآمد ہوئے۔ اُسے احساس ہوا کہ آج جمعہ ہے۔ مسجد سے باہر آتے ہی لوگوں نے رجّن کو دیکھا تو ان کے آگے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ وہ اُسے ایسے دیکھنے لگے جیسے بستی میں کوئی انگریز آ گیا ہو۔ انھوں نے رجّن کو یوں گھیر لیا جیسے وہ رجّن نہ ہو، بی۔ ڈی کا کوئی کامیاب ممبر ہو۔ کتنے ہی لوگوں کے مُنہ سے نکلا "رجّن"! اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔ رحمان چاچا نے تو اُسے سینے سے لگا لیا اور عبدالصمد سوچنے لگا ——
یہ رجّن کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو قلعی گر تھا۔ گلی گلی اپنی پوٹلی اور بالٹی اٹھائے آواز لگاتا پھرتا تھا۔ نہیں، یہ رجّن نہیں ہے۔ یہ قلعی کرنے والا رجّن نہیں ہے۔ یہ وہ رجّن کیسے ہو سکتا ہے جو خود ہر وقت میلے برتن کی طرح نظر آتا تھا۔ وہ تو اس وقت ایسے لگ رہا تھا جیسے اُس پر قلعی ہو گئی ہو۔ اس وقت اس کا چہرہ تیز دھوپ کی طرح چمک رہا تھا۔ اُس کا پیٹ ہوا سے بھری ہوئی دھونکنی کی طرح پھولا ہوا تھا جس پر دو گھوڑا بوسکی جھکی جا رہی تھی۔ اس کے تلے سے بنے ہوئے جوتوں پہ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ستارے چمک رہے تھے لیکن اُس کے دانتوں کی قلعی جیسے اُتر گئی تھی۔ اُس کے سرخ ہونٹ سیاہ پڑ گئے تھے۔ اُس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں سونے کی دو انگوٹھیاں تھیں جنہیں وہ باری باری گھما رہا تھا اور بڑے فخریہ انداز سے لوگوں کو دیکھے جا رہا تھا اور جب اُس کی نظر عبدالصمد پر پڑی تو اُس نے داہنے ہاتھ کو اوپر اٹھایا اور بڑے پیارے انگوٹھیاں دیکھنے لگا اور پھر کہنے لگا۔ "رحمان چاچا! اپنی مٹی آخر کھینچ ہی لیتی ہے نا۔ سوچا تو تھا کہ اب اس بستی میں کبھی نہ آؤں گا۔ پر کیا بتاؤں یہاں بڑی اچھی اچھی چیزیں ہیں۔ پھر یہ اپنی ہی جگہ ہے نا۔ اپنے ہی لوگ ہیں سارے۔ جانے پہچانے لوگ۔"

"پر رجن! تو......"

رجن نے اس کی بات کاٹ دی اور کہنے لگا۔ "دیکھو چاچا۔ مجھے رجن مت کہو۔ اب میں آر۔ ایم قریشی ہوں۔ یہ دیکھو میرا کارڈ۔" اس نے سمر کی پتلون سے کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

"چاچا! یہ کارڈ دیکھ کر تو پولیس والے بھی مجھے سلام کریں ہیں۔"

"پر تو آر۔ ایم قریشی کب سے ہو گیا۔ تو عبدالسلام قلعی گر کا بیٹا ہے۔ وہ تو ڈانٹ کا چڑوہا تھا۔"

"عبدالسلام مر گیا۔ قلعی گر مر گیا۔ رجن بھی مر گیا چاچا! یہ پڑھ کیا لکھا ہے۔ ایم آر قریشی پروپرائٹر پرنس کلاتھ ہاؤس۔ پر تو انگریجی کیا جانے۔ ارے۔ اپنے شہر میں بہت بڑی دکان ہے کپڑے کی۔ اور بھی کئی دھندے ہیں۔ بس اوپر والے کا کرم ہے۔ اب اپنی بستی میں بھی کاروبار کرنے کا ارادہ ہے۔ تو دیکھیو مایا برسے گی مایا۔ اور دنیا دیکھے گی یہ کیا تونے چار آنے کی دکان لگا رکھی ہے۔ آگ لگا اس کو بس! تو میرے دھندے کا خیال کر یو۔ تیرے بھی وارے نیارے ہو جائیں گے۔ سارا گاؤں عیش نہ کرے تو ایم۔ آر قریشی چھوڑ چمار کا جنا کہیو۔"

"پر وہ جو تیری دھونکنی، ہتھوڑی چھینی اور آدھ سیر پکی قلعی میرے پاس پڑی ہے۔ اس کا کیا ہوگا؟"

"گولی مار ان کو۔ کسی کنوئیں میں پھینک دے۔" اس نے جھلاتے ہوئے کہا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

"مگر وہ تو بیس ایک کا مال ہے"۔ رحمان چاچا نے اُس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ۵۵۵ کی سگریٹ کی ڈبی دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کسی غریب کو دے دو۔"

اور رحمان چاچا نے ایک لمحے کے لئے اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے کھدّر کے کرتے اور پاؤں میں پہنی ہوئی ٹوٹی جوتیوں کو دیکھنے لگا اور پھر عجیب سی آواز میں اُس نے کہا۔

"ہاں! وہ میں کسی غریب کو دے دوں گا۔"

اور رحمن نے ان کی بات اَن سنی کرتے ہوئے عبدالصمد سے کہا" ماما! میں تیرے ساتھ چلوں گا۔ مجھے تجھ سے ضروری کام ہے" —— اور وہ اُسے سکوٹر پر بٹھا کر اُس کے گھر لے گیا۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے ہوئے رحمن نے عبدالصمد سے کہا" دیکھ ماما! تو جانتا ہے کہ میں نے گاؤں کیوں چھوڑا۔ صرف تیری ہٹی کی وجہ سے مگر اب میں یہاں مستقل آ گیا ہوں کیونکہ مجھے تیرا گھر اپنا گھر لگے ہے۔ میں تجھے اپنے باپ برابر سمجھوں ہوں اور اب میں قلعی گر نہیں ہوں۔ تیرے ایسے پچاس عبدالصمد میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ میں یہاں دھندا کروں گا بہت بڑا دھندا اور یہ سب تیرا ہو گا۔ گنّے کے رس کا دھندا، ورق چڑھی گولیوں کا دھندا۔ مجھے معلوم ہے تجھے دارو بھی پسند ہے اور گولیاں بھی۔ رس کو چاہے بیچیو۔ چاہے اس میں نہائیو۔ دن میں چاہ جتنی گولیاں کھائیو، سب تیرا مال ہو گا۔ پر ایک شرط پر، جو تجھے ماننی پڑے گی، شمو کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینا ہو گا۔ میں بھری برادری میں اُسے لے کر جاؤں گا، مولوی بھی چار بول پڑھے گا۔ اور تو اسے دوا پا کرے گا۔ حالانکہ میں زبردستی کر سکتا ہوں، اس کو یہاں سے اُڑا سکتا ہوں۔ مگر مجھ میں ابھی اتنی بے غیرتی نہیں آئی ہے۔ بول! منظور ہے؟ دنیا مرے آگے سلام کرتی ہے اور میں تجھے سلام کر رہا ہوں۔ ماما! اُس وقت جب تو نے انکار کیا تھا تو سچا تھا۔ جب میں قلعی کرتا تھا مگر اب میرے پاس شہر میں مکان بھی ہے اور دکان بھی۔ اتنا روپیہ بھی ہے کہ شمو ساری عمر عیش کرے گی!"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اور جب عبد الصمد مان گیا تو رحمن نے اُسے سینے سے لپٹا لیا اور کہنے لگا" ماما! عید کے چاند شادی ہو جانی چاہئے۔ ابھی پانچ مہینے پڑے ہیں۔ اتنے عرصے میں میرا کاروبار بھی جم جائے گا۔ ۱۲ر تاریخ عید کی ٹھیک ہے نا؟"

" پھر وہ خوشی خوشی اپنے گھر آ گیا جو دو سال سے بند تھا۔ رحمان چاچا اُسے دیکھتے ہی دوڑا دوڑا آیا اور خوشی سے تمتماتے ہوئے اس نے کہا" تیرا مال میں نے ایک قلعی گر کو مفت دے دیا ہے۔ بہت دعائیں دیتا تھا وہ تجھے۔"

رحمن بچپن ہی سے شمو کو پسند کرتا تھا۔ بچپن ہی سے دونوں اکٹھے کھیلتے آئے تھے اور ابھی چھپ چھپ کر ملنے کے دن بھی نہ آئے تھے کہ عبد الصمد اور عبد السلام میں جانے کیا ہوا۔ عبد الصمد نے شمو کو پردے میں بٹھا دیا اور عبد السلام قلعی کا سامان اور رحمن کو ساتھ لے کر شہر جانے لگا۔ وہ گلی گلی در در آوازیں لگاتے۔ چھوٹی ہی عمر میں رحمن ایک کامیاب قلعی گر ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں کمانے کے کئی طریقے اس کو آ گئے تھے۔ شہر ہی میں رحمن کو معلوم ہوا کہ قلعی کرنے کے اور کیا کیا فائدے ہیں۔ باپ کی زندگی میں تو اس نے نئے اور پرانے چوری کئے ہوئے برتنوں پہ ہی اکتفا کیا تھا اور جب باپ مر گیا تو اس نے قلعی کے برتنوں کے ساتھ ساتھ قلعی کروانے والوں کو بھی دیکھنا شروع کر دیا اور قلعی کروانے والوں نے اُسے جلد ہی احساس دلا دیا کہ وہ قلعی کرنے کے ساتھ ساتھ قلعی شدہ برتنوں کا بھی کاروبار کر سکتا ہے۔ بالکل نئے برتنوں کا کچھ کچھ قلعی اترے ہوئے برتنوں کا۔ بالکل خراب برتنوں کا، چینی کے برتنوں کا، چاندی کے برتنوں کا ——
—— غرض ہر قسم کے برتنوں کا اُسے محسوس ہوا کہ برتنوں کے ضرورت مند ہر جگہ ہیں — ہر گھر میں قلعی ہونے والے برتن ہوتے ہیں اور ہر گھر میں برتنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں بھی ان کی ضرورت ہوتی ہے اور شادی بیاہ کے موقعوں پر بھی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا کاروبار خوب چمکا۔ قلعی گری کے پیشے سے اُسے بہت فائدہ ہوا۔ مگر آخر اس نے اس پیشے کو ترک کر دیا۔ صرف برتنوں کے کاروبار پر اکتفا کیا۔ کبھی کبھار اُس کا دل

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

چاہتا کہ کاندھے پر اپنی پوٹلی ڈال کر، ہاتھ میں بالٹی لے کر وہ عبدالصمد کا دروازہ کھٹکھٹائے اور شمو سے پوچھے "شمو برتن قلعی کروانے ہیں"۔

اور جب کتنے ہی عرصے بعد وہ شمو کا دروازہ چوری چھپے کھٹکھٹاتا تو شمو اس سے کہتی "رجن! اب تم ہمارے یہاں قلعی کرنے کیوں نہیں آتے ؟"

اور ایک دن رجن نے شمو سے کہہ دیا "شمو اب مجھ سے بار بار نہیں آیا جاتا۔ میں تو چاہتا ہوں وہ برتن ہی لے جاؤں جس کو بار بار قلعی گر کی ضرورت ہوتی ہے"۔

اور ایک دن رجن نے عبدالصمد سے شمو کو مانگا تو اس نے ٹکا سا جواب دے دیا جو گھونسے کی طرح اس کے دل پر جا کے لگا اور وہ ایسے سرد پڑ گیا جیسے کسی گرم برتن کو ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا ہو۔ پھر اس نے سوچا کہ اب میں اس بستی میں کبھی نہیں آؤں گا۔ میں اپنے گھر کو بھی، رحمان چاچا کو بھی اور شمو کے گھر کو بھی چھوڑ دوں گا اور کبھی کبھار نظر آنے والے رجن نے مستقلاً بستی کو خیرباد کہہ دیا۔

شہر میں اُس نے اپنا نام بھی بدل لیا اور محمد رمضان عرف رجن کی جگہ ایم۔ آر قریشی رکھ لیا۔ اُسے اپنے کاروبار میں زیادہ منافع ہوا تو اُس نے کپڑے کی دوکان کھول لی۔ وہ سرحد پار سے کپڑا منگاتا اور سستے داموں فروخت کر دیتا۔ تھوڑے عرصہ میں بڑے بڑے لوگوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے لوگوں تک سے اسکے تعلقات ہو گئے۔ اس نے تمام بڑے لوگوں کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا جس کو وہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو بھیج دیا کرتا تھا۔ اسی کاروبار کے دوران اسکے تعلقات چھتر کے کاروباریوں سے بھی ہو گئے اور اُس نے یہ دھندا بھی شروع کر دیا۔ اب اسکے پاس ایک خوبصورت مکان تھا۔ وہ اپنے علاقے کا معزز شہری ہو گیا تھا۔ لوگوں کے بڑے کام اُس کے کارڈ پر لکھے ہوئے نام سے ہو جاتے تھے۔ وہ سارے دن اپنے دھندے میں لگا رہتا اور رات بھر دارو میں مدہوش مگر پھر بھی ایک باریک سی آواز اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگتی "رجن تم ہمارے یہاں قلعی کرنے کیوں نہیں آتے ؟"

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اور وہ بے چین ہو جاتا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اُس کا دل گرم برتن پر پڑی ہوئی قلعی کی طرح پگھل جائے گا۔ اس کا جلتا ہوا جسم نوشادر کی طرح بھک سے جل جائے گا اور دھواں بن کے فضا میں تحلیل ہو جائے گا اور اُس کے دل میں زبردست خواہش اٹھتی کہ بستی میں جا کر شمو کا دروازہ کھٹکھٹا دے۔ مگر وہ اس احساس کو دبا لیتا اور کسی بھرے ہوئے برتن کو منہ سے لگا لیتا۔

اور ایک دن نہ جانے کیا ہوا کہ وہ بستی میں آ گیا ہمیشہ کے لئے۔ وہ اپنے کپڑے کی دکان بھی بستی میں لے آیا۔ بستی کے تمام لوگوں نے اُس کا نام حکومت کے کسی نئے آرڈیننس کی طرح قبول کر لیا۔ اب تمام لوگ اُسے رمضان بابو کہتے تھے۔ وہ چھ روپے گز کی لیڈی ہملٹن ساڑھے چار روپے گز دیتا۔ فرانس کی کسی دوشیزہ کے گالوں کی طرح ملائم شنیل وہ دس روپے گز فروخت کرتا۔ ٹشو، جارجٹ، ساٹن، کریپ، مغل اعظم، شنگھائی اور کاٹن، پاپلین اور گرم کپڑے کے نرخ بھی اتنے کم ہونے کہ شہر تک کے بیوپاری اُس سے کپڑا لے جاتے۔ اُس نے تین عورتیں رکھ لی تھیں جو گھر گھر کپڑا بیچتی تھیں۔ اُس نے شہر کا مکان فروخت کر کے اپنی بستی میں شراب کی کئی بھٹیاں لگالی تھیں۔ اور با اثر لوگوں کی خدمت کرنا اپنا فرض اولیں سمجھتا تھا۔ سب کی ضروریات پوری کر کے اُسے گونا خوشی ہوتی تھی۔ اُس کو جیل میں بھرے ہوئے قیدیوں کا بھی خیال رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اُن کے آرام و سکون کا سامان مہیا کر دیتا تھا۔ بستی میں اس کی اہمیت کسی بی۔ ڈی ممبر سے کم نہ تھی اور شہر میں بھی اس کا ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر سے زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ شہر سے اُس کے پاس بڑے بڑے لوگ آتے گھنٹوں اُس کے گھر میں بیٹھ کر جانے کیا کرتے اور پھر خوش خوش چلے جاتے۔ بستی کے اکثر لوگ جو شہر کی ملوں میں مزدوری کیا کرتے تھے رجن کے مرید ہو گئے تھے۔ رجن ان کا بہت خیال کرتا تھا۔ وہ رجن کی بھٹیوں پر "پارٹ ٹائم" کام کیا کرتے تھے۔ رجن انھیں مل سے بھی زیادہ مزدوری دیا کرتا تھا۔ کبھی کبھار انھیں شراب کی بوتل بھی دے دیا کرتا تھا۔ جو

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

پانچ روپے سے ایک پیسہ کم کی بھی نہیں آتی تھی۔

رحمان چاچا نے اسی دن اپنی دکان چھوڑ دی تھی۔ جس دن رجن بستی میں واپس آیا تھا۔ اُس نے اپنا لڑکا رحیم بھی مل سے اٹھالیا تھا۔ وہ اور رحیم مل کو رجن کی بھٹیوں میں تیار ہوتی ہوئی شراب کا خیال رکھتے تھے۔ تمام حساب کتاب ان کے پاس تھا۔ شروع شروع تو ان کو اس کام سے بہت کراہت آئی مگر آہستہ آہستہ دونوں عادی ہوگئے۔ کبھی رحیم باپ کو پرے دیکھتا تو دو چار گھونٹ پی لیا کرتا۔ اور کبھی رحیم کہیں باہر ہوتا تو رحمان چاچا بھی اپنے منہ کا ذائقہ بدل لیتا۔ رحمان چاچا کے بھتیجے مریدا کے تو عیش ہوگئے تھے۔ وہ سارے دن بھٹی پر پڑا رہتا۔ وہ دارو پانی کے حساب سے پیتا تھا۔ ہر وقت نشے میں دھت رہتا تھا۔ اُسے بستی کی ایک لڑکی سے پیار تھا جو کسی دوسری بستی میں بیاہی گئی تھی اور مریدا اُس کے غم میں ڈوبا رہتا۔ اور قمرو جو کبھی رجن کا رقیب ہوا کرتا تھا اب اُسکا یارِ خاص ہوگیا تھا۔ وہ اس کے ہر وقت ساتھ رہتا۔ قمرو دو سال ہوئے چھ ماہ کی کاٹ آیا تھا۔ وہ ہر وقت اپنے ڈب میں بغیر لائسنس کی پستول رکھتا تھا۔ یہ رجن کا مشیر بھی تھا۔ رجن عموماً اسی کے ہاتھوں پان سگریٹ والوں سے کاروبار کرتا تھا۔ انھوں نے بستی کے نزدیک ہی شہر کے لاری اڈے پر ایک ہوٹل کھول لیا تھا جہاں سے یہ کھانے کے ساتھ ساتھ ٹھرے کی بوتلیں اور ورق میں لپٹی ہوئی گولیاں سپلائی کیا کرتے تھے۔ رجن نے ایک بھٹی شادی سے پہلے ہی عبدالصمد کو دے دی تھی۔ وہ بھی انھیں کے ساتھ دھندا کرنے لگا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا " میرا بیٹا تو رمضان بابو ہے۔ فرشتہ ہے فرشتہ۔ کتنا خیال رکھتا ہے وہ میرا۔ اتنی خدمت تو میرا اپنا بیٹا بھی نہیں کرتا۔ کتنا نیک سیرت ہے۔ مل میں نوکر کروا دیا ہے اُسے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں دارو کے لئے ترس گیا تھا۔ میں تو اس کی طلب ہی میں مرجاتا۔ اللہ اس کی زندگانی بڑھے۔ اس کے کاروبار میں اضافہ ہو۔"

اور رحمان چاچا تو اس کی تعریف کرتے کرتے نہ تھکتا تھا۔ وہ کہتا اگر رمضان بابو نہ ہوتا تو میری بٹیا کی شادی کیسے ہوتی۔ اس کا سارا جہیز اس نے اپنی جیب سے دیا ہے۔ شادی کا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سارا خرچ بھی خود ہی اُٹھایا ہے۔ بھلا ایسے بھی سپوت ہو وے ہیں اس دنیا میں اور کبھی کبھی وہ رحمٰن پہ بہت غصّے ہوتا اور کہتا "یہ تو ہزاروں روپے اور سودوں کا مال ہر ماہ کہاں بھیجے ہے۔ وہ تیرے باپ کے سالے لگے ہیں کیا حرام کے تخم رسید تک نہیں بھیجتے"۔

اور پھر عید کے چاند کی یارہویں آ گئی۔ رحمٰن نے اپنی شادی کی تیاری بڑے زور شور سے کی تھی۔ بستی سے ذرا پرے اس نے قناتیں، شامیانے لگوائے تھے۔ مجرے کا بھی انتظام کیا تھا۔ مہمانوں میں بستی کے لوگوں کے علاوہ شہر سے بھی لوگ آئے تھے۔ دوسرے شہروں کے بھی تھے۔ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو اس کے کاروبار میں شریک تھے۔ بڑی بڑی مونچھوں والے، ہیبت ناک چہروں والے۔ چیتے کی طرح خونخوار قسم کے لوگ۔ اونچی اونچی پگڑیاں باندھنے والے لوگ، سوٹوں میں ملبوس لوگ، منہ سے بدبو دار دھواں اڑاتے لوگ۔ پان سگرٹ کا کاروبار کرنے والے شریف لوگ اس کی شادی میں موجود تھے۔ بارات بڑی دھوم دھام سے گئی اور شمو کو بیاہ کے لے آئی۔ رات کو گانا شروع ہوا۔ خورشید بائی اور نسرین بائی شہر کی مشہور طوائفیں تھیں۔ خورشید گانے اور نسرین ناچنے میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ناچ گانے کے ساتھ ساتھ شراب بھی عام پانی کی طرح استعمال ہو رہی تھی اور جب محفل گرم ہوئی تو رحمان چاچا کے لڑکے رحیمو کو جانے کیا ہوا۔ وہ اٹھا اور ناچتی ہوئی نسرین کے گرد چکر لگانے لگا۔ رحمان چاچا نے اسے کھینچ کر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اٹھا اور پھر اس کے گرد طواف کرنے لگا۔ اور پھر نجانے اسے کیا ہوا اُس نے طبلچی کے پاس پڑی ہوئی نسرین بائی کی جوتیاں اٹھا لیں اور ان کو اپنی گود میں لے کر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ ان پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ خورشید بائی نے ایک لمبا سُر کھینچا تو قمرو ایک دم جوش میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی ڈب سے پستول نکالی اور کئی ہوائی فائر کر دیئے اور پھر آرام سے بیٹھ گیا۔ نسرین بائی نے ایک ٹھمکا دیا تو پھر اُسے حال آ گیا اور پھر اس نے کئی ہوائی فائر کئے اور اپنی پستول چوم کر بیٹھ گیا۔ اور بل کے ایک مزدور رفیق کو بھی جوش اٹھا۔ اس نے اپنی جیب سے اپنا ایسا ہی نوٹ نکالا اور نسرین بائی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ نسرین بائی نے ایک لمحے کے لئے اس کا جائزہ لیا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے نوٹ کو دیکھا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اور دوسری طرف مڑ گئی۔ رفیق نے اپنی جیب سے ایک اور روپیہ نکالا اور پھر نسرین بائی کو اشارہ کیا مگر پھر بھی وہ اس کے پاس نہ آئی اور پھر قمرو کو نچانے کیا ہوا۔ اس نے رفیق کو اپنی ران پر بٹھالیا اور اس کے سر پر نوٹوں کی بارش کردی۔ نسرین بائی ایک ایک کرکے نوٹ اٹھاتی رہی اور جب قمرو نے اپنا ہاتھ روک لیا تو رفیق نے ایک زور کا نعرہ مارا" علی حیدر"! اور وہاں سے ہانپتا ہوا بھاگ گیا۔

مریدا کتنی ہی دیر تک گاتی ہوئی خورشید بائی کو گھورتا رہا۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور خورشید بائی کے پاؤں پر گر پڑا اور زور زور سے چیخنے لگا" میری بچھو تو آگئی۔ اب میں تجھے نہیں جانے دوں گا۔ بچھو تو کہاں تھی؟ میں تیرا دروازہ تکتے تکتے تھک گیا۔ بچھو! میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ میں تجھ سے شادی کروں گا۔ تو بھی مجھے چاہتی ہے نا؟ مجھے معلوم ہے تو مجھے چاہتی ہے تیرا باپ قصائی ہے۔ وہ تجھے مارنا چاہتا ہے۔ میں تیرے باپ کو بھی مار دوں گا۔ میں اسے رحمن کی بھٹی میں ڈال دوں گا۔ کہاں ہے تیرا باپ؟ کہاں ہے تیرا باپ؟ اس نے نشے میں ڈوبی ہوئی لال انگارہ آنکھوں سے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا جن کی صورتیں اسے صاف نظر نہ آرہی تھیں۔ وہ پھر لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور نزدیک ہی بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے کی گردن پکڑلی اور زور زور سے دبانے لگا۔ ناچ گانا سب رک گیا۔ لوگوں نے اسے چھڑایا اور پھر اس کو اس کی کرسی پر بٹھادیا۔

ناچ گانا پھر شروع ہوا۔ اچانک گیارہ بارہ سال کا ایک لڑکا اٹھا اور وہ بھی نسرین بائی کے ساتھ ساتھ ناچنے لگا اور پھر کہنے لگا۔" لاؤ مجھے بھی پیسے دو" پھر وہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اٹھا اور پھر ناچنے ناچتے اس نے لوگوں کی طرف دیکھا اور رک گیا اور کہنے لگا" مجھے تو کوئی بھی پیسے نہیں دیتا، سب اس گشتی کو ہی دیے جارہے ہیں۔"

سب ہنسنے لگے۔ پھر رات بھر ناچ گانا رہا، رات بھر شراب کا دور چلتا رہا اور جب صبح کی اذان ہوئی تو اس بستی کی تاریخ میں مسجد پہلی بار خالی تھی اور یہ ساری بستی رحمن کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

زردے کے موجد

احمد حسین دلدار حسین پرائیوٹ لمیٹڈ

چوک لکھنؤ

کا

تیار کردہ

زردہ — قوام — گولی

پان کی جان ہے

اس کی لذت شروع سے آخر تک یکساں قائم رہتی ہے

احمد حسین دلدار حسین پرائیوٹ لمیٹڈ

یڈ آفس چوک لکھنؤ
ن نمبر ۲۵۲۱۷



کارخانہ عبدالعزیز روڈ لکھنؤ
فون نمبر ۲۵۹۵۴

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

بچوں کا ادب

جن پر حکومت ہند نے مصنفین کو انعامات دیے۔

بجو آپا اطہر پرویز ۱٫۷۵
مصنوعی چاند 〃 ۱٫۵۰
خلا کا سفر 〃 ۱٫۲۵
توانائی کا راز 〃 ۱٫۲۵
ستاروں کی دنیا 〃 ۲٫۰۰
بھارت دیس ہمارا دیس
جاوید اقبال ۱٫۰۰
ہماری آباد دنیا
فصاحت حسین ۱٫۰۰

بدن کی کہانی (معلومات)
اطہر پرویز ۱٫۲۵
تیس مار خاں (بچوں کا ناول)
شاہد علی خاں ۰٫۷۵
اکبر و بیربل کے لطیفے ۱٫۰۰

پتھروں کا مغنی

وحید اختر

(مجموعہ کلام) قیمت: چھ روپے

"وحید اختر کے کلام میں گہرائی، بلاغت اور معنویت ہے، فن کے نئے امکانات پر ان کی نظر ہے مگر انھوں نے عالمی کلاسیکی ادب سے اپنا رشتہ قائم رکھا ہے۔ انھیں خوبیوں سے یہ مجموعہ ہماری شاعری میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔ (پروفیسر آل احمد سرور)

"وحید اختر اردو کے ان معدودے چند شاعروں میں ہیں جو شاعری کی موروثی آبرو کا بھرپور لحاظ رکھتے ہوئے نئی زندگی کی تخلیقی عکاسی کرتے ہیں۔ میں نے ان کے مجموعے کو پہلے سے آخری صفحہ تک تامل کے ساتھ پڑھا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ وحید اختر "پتھروں کا مغنی" سے لیکر "صحرائے سکوت تک" یکساں طور پر کامیاب ہیں۔

(پروفیسر مجنوں گورکھپوری)

چند ادبی کتابیں

ادب اور زندگی (تنقید)
پروفیسر مجنوں گورکھپوری ۵/-
ادب کا مطالعہ (تنقید)
اطہر پرویز ۵/-
رقصِ بسمل (افسانے)
صدیقہ بیگم سیوہاروی ۲٫۷۵
دودھ اور خون (افسانے)
صدیقہ بیگم ۱٫۵۰
ہولی اور چراغ (ڈرامے)
اطہر پرویز ۲٫۶۲

شرابی (ڈرامے)
اطہر پرویز ۰٫۶۵
ہماری سائنس
وزارت حسین ۲٫۰۰

ہماری مطبوعات

سائنس کے کرشمے وزارت حسین ۲٫۰۰ سائنس کی دنیا وزارت حسین ۲٫۶۲

اردو گھر ○ یونیورسٹی مارکیٹ ○ علی گڑھ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

بلراج کومل

پرندہ

پرندہ آسماں کی نیلگوں محراب کے اُس پار جاتا ہے
پرندہ بال و پر ہے، آنکھ ہے، لیکن ——
سنہری چونچ سے پرواز کرتا ہے
سڑک پر دھوپ ہے اور دھوپ میں
— سایوں کے ناخن ہیں
گھروں میں خول ہیں اور آنگنوں میں خار اُگتے ہیں
کسی کا کون ہے؟ کوئی نہیں: سب اجنبی ہیں
— حیرت و حسرت میں زندہ ہیں

وہ عورت ہے
وہ خواہش کے چمکتے خنجروں سے پیار کرتی ہے
وہ اُس مرد ہم سفر ہے، خاک و خوں اُس کا مقدر ہے
یہ موجِ آب ہے، اب پھول ہے، اب پیڑ ہے
— کل صرف پتہ ہے
اگر یہ زندگی کرنے کی کوشش میں پریشاں ہیں
یہ اکثر قتل کرتے ہیں
یہ اکثر قتل ہوتے ہیں
لہو کے پار گلشن ہے مگر گلشن لہو میں ہے
نگاہوں میں اُجڑتے شہر کی مانند تصویروں کا میلہ ہے

ہجومِ سنگ و آہن میں
کوئی آواز دیتا ہے، کوئی آواز سنتا ہے
مگر آواز سے آواز کا رشتہ نہیں ہوتا
مگر آواز سے آواز کا ہر سلسلہ بیکار ہوتا ہے

یہ منظر تیرتا ہے آب جو میں ہائے، لیکن اجنبی کیوں ہے؟
میں منظر ہوں، تسلسل ہوں
مگر میں اجنبی کیوں ہوں؟
یہ فرشِ آب و گل میرے لئے اک سلسلہ کیوں ہے؟
پرندہ آسماں کی نیلگوں محراب کے اُس پار جاتا ہے
پرندہ فاصلہ کیوں ہے؟
پرندہ ماورا کیوں ہے؟

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

قاضی سلیم

بے زمینی

باد گولے
۔ بگولے
پے بہ پے اُٹھ رہے ہیں
سینۂ ارض کی سانس اُکھڑنے لگی ہے
بنی نوع آدم کے شجرے کی سوکھی ہوئی پتّیاں
بوکھلائی ہوئی ۔ گھومتی پھر رہی ہیں
راستہ کس طرف جا رہا ہے

میری دھرتی کہاں ہے
ٹمٹماتا ہوا دیپ کب تک جلے گا
اسے کیا پتہ ہے
راستہ کس طرف جا رہا ہے

خلاؤں کے بے آب ساگر اُمڈتے چلے آ رہے ہیں
کتنے آہوئے رم خوردہ رفتار کی قید ہیں
آج بے پاؤں اور بے زمیں چوکڑی بھر رہے ہیں
راستہ کس طرف جا رہا ہے ۔

جیسے ہر ہر قدم پر
گھڑگھڑاتے ہوئے بادلوں سے
کوئی چیختا ہے
ایک ہی راستہ رہ گیا ہے
زادِ رہ پھینک دو
اور اونچے اُٹھو
اور اونچے اُٹھو
بے حاصلی کے سُبک ہاتھ پھیلاؤ
۔۔۔ جیسے فرشتے
ہواؤں کو بانہوں میں بھر کر
عرش سے فرش تک
آتے جاتے ہیں ۔ سب راستے
ساری سمائیں اُن کے لئے بے اثر ہیں

کروڑوں برس ہم نے اس فکر کا بوجھ ڈھویا
آئینے کے تلے
تم بھی اُترے ہو
۔ میں نے بھی اک عمر پاتال میں کاٹ دی ہے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اُلجھے دھاگوں میں پھرکی کہاں گھومتی ہے
اس کا محور کہاں ہے
یہ کھلتی چلی ہے ۔ یا اسے انگلیوں پر
روز و شب کوئی اُلٹا لپیٹے چلا جا رہا ہے

تم نے مجھ سے کہا تھا
درختوں کو ننگا کرو
سارے پھل پھول پتّے
لفظ کے جال ہیں
آبادیوں میں ہماری نظر
صرف چہروں پہ پڑتی ہے
اُس پار جاتی نہیں —
مگر آج جب
نہ چہرے، نہ پتّے، نہ الفاظ
کچھ بھی نہیں —
اب بتاؤ مجھے
راستہ کس طرف جا رہا ہے

مختار صدیقی

ایک تاثر

پیار ۔ اور ایسا زیاں کار، میں کیا سوچتا ہوں
تم کہو! "ایسے بھی زندانیِ ارماں ہوں گے"
زیست اور موت کی سرحد پہ ہوئے خاک بسر
تم کہو! "موت ہی کے آپ پہ احساں ہونگے"
ہر نئی سانس پشیماں ہے گئی سانسوں سے
تم کہو! "آپ ابھی اور پشیماں ہوں گے"
نیم جانی کا یہ افشار، میں کچھ سوچتا ہوں
تم کہو! "کون ہوا آپ جو بے جاں ہونگے"

اور یہ دن بھی یونہی بیت گیا، شام ہوئی
اور اک رات کا کٹنا بھی گوارہ کر لیں
جن خیالوں کے اُلٹ پھیر میں اُلجھی سانسیں
ان میں کچھ اور بھی سانسوں کا اضافہ کر لیں
جن ملالوں سے لہو دل کا بنا ہے آنسو
اُن کے آنکھوں سے برسنے کا نظارہ کر لیں
احتیاطوں کی گذرگاہیں ہوئی ہیں سنسان
اب چھپایا ہوا ہر گھاؤ ہویدا کر لیں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

راحت نسیم ملک

تنہا رات کی سوچ

اندھیرے دریچوں سے سرپھوڑتی رات اب بھیگتی جارہی ہے،
ہواؤں کی لرزش میں موہوم سا کرب ہے
میں اُداسی کی بے رنگ چادر میں لپٹا،
کتابوں کے اوراق میں
آنے والے دنوں کی کرن ڈھونڈتا ہوں
یونہی کتنی صدیوں سے جاگا کیا ہوں!

یونہی کتنی صدیوں سے سوچا کیا ہوں!
کبھی تو مرے پیاسے خوابوں کا کوئی ہیولا
سرابوں کے کہرے سے اُبھرے
مرے سرد کمرے کے شیشے سے تنہائی کی دھول پونچھے
مرے زرد چہرے پہ بکھری اُداسی کی تحریر سمجھے
مری جلتی آنکھوں پر اپنے سلگتے ہوئے ہونٹ رکھ دے،

—— کہے ——

تم بہت دیر سے جاگ رہے ہو ذرا سو رہو

اویس احمد دوراں

اندیشۂ زوال

مہیب و بلاخیز تاریکیوں میں
ستاروں کے دل ڈوبتے جارہے ہیں
چراغوں کی لو ہچکیاں لے رہی ہے
یہ روشن عناصر
کہاں تک طویل و سیہ رات کی قہرمانی سے آخر لڑیں گے
سبھی تھک گئے ہیں
سپر ڈالتے جارہے ہیں
کوئی قوتِ شر ہے جو سارے آئینہ خانے کو
مسمار کرنے پہ گویا تلی ہے
یہ محسوس ہوتا ہے
جیسے کہ انساں کی تاریخ پر اب زوال آرہا ہے
بدی کے سلگتے دہکتے عناصر
یہی چاہتے ہیں
کہ آرامگاہِ بشر اب دھواں بن کے تحلیل ہو جائے
دشتِ فنا میں

نشاط آفریں زندگی پر یہ کیسی کڑی آزمائش کا وقت آپڑا ہے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

شہریار

تلاش کی ایک منزل

میں اپنے گھاؤ گن رہا ہوں
در تتلیوں کے ریشمی پروں کے نیلے پیلے رنگ
اڑ رہے ہیں ہر طرف
فرشتے جیسے آسمان سے اتر رہے ہیں صف بہ صف
میں اپنے گھاؤ گن رہا ہوں
آنسوؤں کی اوس میں نہا کے بھولے بسرے خواب آگئے
خون کا دباؤ اور کم ہوا
نحیف جسم پر کسی کے ناخنوں کے آڑے ترچھے نقش
جگمگا اٹھے
لبوں پہ لکنتوں کی برف جم گئی
طویل ہچکیوں کا ایک سلسلہ فضا میں ہے
لہو کی بو ہوا میں ہے

انتخاب سیّد

ایک کیفیت

ابھی نہ جاؤ
ابھی تو میں سانس لے رہا ہوں
مرے بدن کی اندھیری گلیوں میں
خون کی اکّا دکّا شمعیں
کہیں کہیں ٹمٹما رہی ہیں
رگوں میں جیسے بہت ہی ہلکے سُروں میں
نغمہ سرا ہے کوئی

(میں سن رہا ہوں)
کبھی کبھی لاشعوری پردوں پہ
دھندلے دھندلے عجیب سے
کچھ نقوش آکر گذر رہے ہیں
دماغ پر زندگی کے قدموں کا
بوجھ محسوس ہو رہا ہے

ابھی نہ جاؤ
ابھی تو میں سانس لے رہا ہوں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ادیب سہیل

انکشافِ ذات

شعر؟ خوشبو۔ روشنی۔ گرویدگی
لفظ و معنی کے جہاں کا اک طلسم
عالمِ احساس کی صورت گری
روح کا آہنگ، اک پنہاں ترنگ

شعر؟ نازک واردات دل کا آئینہ۔ مگر پہلو ہزار
اندرونی کیفیت کی اک انوکھی مخبری
انکشافِ ذات کا اک خوب صورت راستہ

انکشافِ ذات ہے، میرے لئے، اک نقطہ
جس میں دائرے ہی دائرے پوشیدہ ہیں
دائرہ میری نظر میں شش جہات
دائرہ میری نظر میں کائنات

فہمیدہ ریاض

ایک رات کی کہانی

بڑی سہانی سی رات تھی وہ!
ہوا میں انجانی کھوئی کھوئی مہک رچی تھی
بہار کی خوشگوار حدت سے رات گلنار ہو رہی تھی
روپہلے سپنے کہ آسماں پر سحاب بن کر بکھر گئے تھے
اور ایسی اک رات
اک آنگن میں کوئی لڑکی کھڑی ہوئی تھی
خموش تنہا ——
وہ اپنی نازک، حسین سوچوں کے شہر میں
کھو کے رہ گئی تھی
دھنک کے سب رنگ اس کی آنکھوں میں بھر گئے تھے
وہ ایسی ہی رات تھی کہ راہوں میں اس کے موتی
بکھر گئے تھے

ہزار اچھوتے کنوارے سپنے
نظر میں اس کی چمک رہے تھے۔
شریر سی رات اس کو چپکے سے وہ کہانی سنا رہی تھی
کہ آج
وہ اپنی چوڑیوں کی کھنک سے شرمائی جا رہی تھی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

وسمول

سفید بالوں کو چمکیلا سیاہ بناتا ہے

"وسمول" سائنٹفک طریقوں سے بنایا ہوا بالوں کو صحیح معنوں میں سیاہ کرنے والا۔ بالوں کو تقویت پہنچانے والا خوشبودار ہیئر ڈریسنگ ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود "وسمول" کی قیمت کسی بھی اچھے ہیئر آئل سے زیادہ نہیں ہے۔

وسمول

بالوں کو یقینی طور پر سیاہ اور چمکیلا بناتا ہے

"دو شکل میں ملتا ہے:
رقیق ہیئر آئل کی شکل میں اور پومیڈ کی شکل میں۔ سب بڑے دوافروشوں کے یہاں اور اسٹورس میں ملتا ہے۔





ہائی جینک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹۲، بمبئی نمبر ۱

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ہندوستان کی قومی اور ملی صحافت کیلئے

ڈاکٹر محمد آصف قدوائی • جمیل مہدی • حفیظ نعمانی اور محسن عثمانی

کے نام اپنی بے خوف تحریر، جرأت کردار اور قربانیوں کے باعث

محتاج تعارف نہیں

ان جانے پہچانے منفرد اہل قلم کی مانوس آواز

اب

ہفتہ وار



لکھنؤ

کے قالب میں ڈھل گئی ہے

عزائم کا ہر ایک شمارہ

- ایک منظم، مخلص، متحد، فہیم اور ذمہ دار ملی قیادت کے لئے ذہن اور فضا تیار کرے گا
- عالم اسلام خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی باوقار اور آرزومندانہ زندگی کے لئے جدوجہد کرے گا
- ان اہل قلم کی تحریروں کا نچوڑ پیش کرے گا جن کا قلم روشنائی اور خون دونوں کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے

۹ اگست کو پہلا شمارہ شائع ہو گیا ہے

۱۶ صفحات | سالانہ، پندرہ روپے |  | ششماہی، آٹھ روپے | فی پرچہ ۳۲ پیسے

آج ہی منی آرڈر بھیجکر خریداری قبول کیجئے یا مقامی ایجنٹ کو اپنا آرڈر نوٹ کرا دیجئے

ہفتہ وار **عزائم** ... باغ گونگے نواب، لکھنؤ

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

جمیلہ شاہین

نئی تنقید کا المیہ

اُردو میں نئی تنقید کا سب سے بڑا المیہ تو یہی ہے کہ پُرانی تنقید ہے ہی نہیں۔
مولانا حالی اور اُن کے معاصرین نے پُرانے تنقیدی نظریات کو مغرب کے بعض پُرانے نقّادوں
کے سر منڈھ کر نیا کہہ دیا اور پڑھنے والوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ پُرانے مشرقی
نظریات نہیں بلکہ نئے نظریات ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان نظریات کی جڑیں مغرب میں
ڈھونڈنے لگے اور اب تک نئی تنقید کی بنیادیں مغرب میں ڈھونڈی جا رہی ہیں۔ تلاش
و جستجو کا یہ عمل خواہ کتنی ہی لگن سے کیوں نہ ہو ہمیں زیادہ دور تک نہ لے جا سکے گا، اس لئے
کہ نئی تنقید کا پہلا نیا نقّاد (حالی) سارے کے سارے تنقیدی نظریات ملٹن کے بجائے
شیفتہ سے اخذ کرتا ہے اور خدا جانے کس مصلحت کے پیشِ نظر ملٹن کا نام لے دیتا ہے۔
شاید ایسے ہی جیسے ہم یا آپ آجکل سارتے کا نام لیا کرتے ہیں۔

مقدمہ شعر و شاعری کے پہلے ہی صفحہ پر حالی نے شعر کی "مدح و ذم" پر اپنی رائے دینے
کے بعد جب یہ ثابت کر دیا کہ شاعری کا ملکہ بیکار نہیں"، کیونکہ "شعر کا تاثر مسلم ہے"۔ اور
"شعرا کا حسنِ قبول" ناٹک اور باجہ کی طرح مقبول ہے تو انھوں نے شاعری کی افادیت کا صرف
ایک ہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ "پولیٹکل معاملات میں شعر سے بڑے بڑے کام لئے گئے"۔ اور

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کس طرح لے گئے، یہ ثابت کرنے کے لئے۔ انھوں نے ایتھنز کے سولہن، انگلینڈ کے بائرن
اور ویلز کے شعراء کی مثالیں گنوانی شروع کیں لیکن شاعری کی سیاسی افادیت کے اس
سر دے کے دوران بات جب ہندوستان تک پہنچی تو ——— تو اُردو کی نئی تنقید،
کہ جس نے ابھی ابھی جنم لیا تھا، دو حادثوں سے دوچار ہوئی۔ پہلا حادثہ تو خود اس کی
پیدائش سے متعلق تھا۔ یعنی نئی تنقید نے نئے ادب کی طرح سیاست بلکہ "پولیٹکل معاملات"
میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے کے لئے جنم لیا اور تب شاعروں کو سوسائٹی کی سیاست
کے حق میں ایک سودمند جماعت بنانے کے لئے حالی نے مقدمہ شعر و شاعری لکھا تاکہ اُردو
شاعری کا کوئی جواز قائم کیا جا سکے۔ اور اس طرح تنقید کو علیحدہ صنف کی حیثیت ملی۔
تنقید قدرتاً پہلے بھی تھی لیکن شاعری سے الگ نہیں۔ تنقید اور شاعری کی یہ تقسیم انگریزوں کے
فکر و نظر کے غلبہ کا نتیجہ تھی۔ سرسید احمد خاں کے ذریعہ حالی نے انگریزی ادب سے شناسائی
پیدا کی اور پھر یہ کوشش کی کہ اردو شاعری ان کی تقلید کا تتبع کرے۔ حالانکہ حالی اگر
کچھ سوچتے تو ایک طرف شاعری کو سوسائٹی کا تابع بتا کر دوسری طرف انگریزی شاعری
یا نیچرل شاعری کی خوبیوں کو قابل تقلید نہ بتاتے۔ اس لئے کہ اردو شاعری جس سوسائٹی کی
تابع ہو سکتی تھی وہ کسی حال میں بھی انگریزی سوسائٹی کا چربہ نہیں بن سکتی تھی۔ کیونکہ سرسید احمد
خاں اور ان کے رفقاء ہندوستان کے مسلمانوں کو حج کی تلقین کرنے کے باوجود اس کشتی میں
بیٹھے ہوئے تھے جو مکہ کی جانب براستہ لندن جانے والی تھی۔

حالی اردو کے پہلے نقاد ہی نہیں، شاعری میں افادیت کے پہلے مبلغ بھی ہیں اور
سرسید احمد خاں کے پیرو کی حیثیت سے، افادیت ان کی نظر میں پولیٹکل ہی نہیں ہو سکتی
تھی۔ چنانچہ اُردو تنقید آج تک نہ سیاسی افادیت کے چکر سے نکل سکی ہے اور نہ مغربی افکار
کی انگلی چھوڑ کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکی ہے۔

میں نے ابھی ابھی ذکر کیا تھا کہ اردو تنقید کو برِ صغیر کی ادبی روایت کے بجائے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

انگریز کی سیاست نے جنم دیا، یعنی اُردو تنقید کی پیدائش ہی غیر فطری تھی۔ لیکن جب
اس غیر فطری بچے نے پنگوڑے میں آنکھ کھولی تو دوسرے حادثہ کا انکشاف ہوا کہ یہ بچہ تو
"گرہتی" ہے۔ اس بچہ نے اس وقت جنم لیا جب برصغیر کی ادبی روایت کا چاند گہنا رہا تھا۔
حالی جن کا ذہن ملٹن اور مرے کے نئے نظریات سے روشن ہو چکا تھا، بھلا کس لئے "مشرقی
ماؤں کی اوہام پرستی کا یقین کرتے۔ تنقید کی انگلی تھامے آنگن میں نکل آئے۔ مفلوج اور
ناتواں بالک کو سہارے کی ضرورت تھی اور اُردو تنقید کے لئے یہ سہارے خواہ مغربی افکار
ہوں یا مغربی حوالے، مقدمہ شعر و شاعری میں حالی نے درآمد کرنے کی اجازت دے دی
تھی اور یہ بھی بتا دیا تھا، بلکہ یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان میں حوالوں کا شدید توڑا
ہے اس لئے مجبوراً غیر ممالک کے چکر کاٹنے ہوں گے۔ آج یہ صورت ہے کہ جب ایک بار "گھر" سے
نکل گئے تو کیا روس، کیا فرانس، کیا کافکا، کیا سارتر، جس جگہ بھی جٹ رفتار زمانہ میں
پہنچ جائیں تھوڑا ہے۔ حد یہ ہے کہ آج اُردو ادب کے واحد مشرقی نقاد انتظار حسین تک کو
ایلیٹ پہلے یاد آتا ہے اور نانی اماں بعد میں۔ رشتوں کی تلاش کا درد بھرا عمل کھوجتے کھوجتے
وہ دل ہی دل میں جھینپتے بھی ہیں کہ "ایگلز کا اپن کو پتا ہی نہیں تھا ——" (نیا ادب اور
پرانی کہانیاں، مطبوعہ نیا دور) اور اُردو ادب کی سب سے زیادہ عالم پاکستانی نقاد
ممتاز شیریں کو افسانہ نگار ممتاز شیریں کے افسانہ "سہاگن" کے بارے میں اس وقت تک اطمینان
نہیں ہوتا جب تک وہ کازانتزاکس KAZANTZAKISS کی مشہور کتاب
THE LAST TEMPTATION (میگھ ملہار کا دیباچہ) نہیں پڑھ لیتی ہیں۔
یہ صرف اس لئے ضروری تھا کہ کازانتزاکس وہ بزرگ ہیں کہ "ان کا ذکر موجودہ دور کے
بڑے ادیبوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہومر، ورجل اور ملٹن کے ساتھ کیا جا سکتا ہے!!
(میگھ ملہار کا دیباچہ) ممتاز شیریں کی بات تو رہنے دیجئے کہ یہاں ممتاز شیریں کی بجائے
ان کے شوہر صمد شاہین کا قصور ہے کہ انھوں نے اپنی لائبریری میں ایشروڈ، آکر ول،

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

سپینڈر، دستوفسکی، ٹولسٹائی، ٹامس مان، کافکا اور ورجل ہی جمع کر رکھے ہیں جیسے کہ
ممتاز شیریں نے اپنی ادبی تحریک کی وجہ جواز پہلے ہی پیش کر دی ہے۔ "صحیح معنوں میں
ادبی ذوق کی تحریک ۱۹۴۲ء میں میری شادی کے بعد ہی ہوئی۔ چونکہ صمد شاہین
خود ادبی ذوق رکھتے تھے اور اپنی لائبریری میں بھی زیادہ تر ادبی کتابیں تھیں جب
میں نے اچھے ادب کا مطالعہ شروع کیا اور میرے ذوق میں پختگی آگئی تو پھر مجھے بھی
لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی"۔ (ممتاز شیریں۔ "ایک انٹرویو" مطبوعہ چٹان لاہور)

تنقید نگار ممتاز شیریں کی تخلیق بھی کچھ انہی لائنوں پر ہوئی ہے۔ "میں نے تنقید
کی ابتدا شعوری طور پر نہیں کی۔ شاہین اور میں ساتھ ساتھ اچھی ادبی چیزیں پڑھا کرتے
تھے اور ان پر بحث کیا کرتے تھے۔ بحث کے دوران میں نئے نئے نکتے نکل آتے تھے اور اس طرح
مجھے تنقید کا شوق پیدا ہوا (ممتاز شیریں۔ "ایک انٹرویو" مطبوعہ چٹان لاہور) فرض
کر لیجئے بحث کے دوران کبھی کوئی نیا نکتہ نکلنے سے رہ جائے تو سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ
اس کتاب پر (جو شاہین اور شیریں اکٹھے پڑھ رہے ہیں) امریکہ کی بنی ہوئی کوئی فلم دیکھ
لی جائے اس طرح کتاب آسانی سے سمجھ میں آجائے گی، چھپے ہوئے نکتے بھی واضح ہو جائیں گے۔
اور کتاب پر تخلیقی تنقید کرنے میں بھی آسانی ہوگی "ریکس میں فلم "دی اسنوز آف کلمن جارو"
دیکھنے کے بعد جب ہم واپس ہو رہی تھی تو مجھے کچھ خیال سا تھا کہ فلم کو محنت سے تیار کی گئی تھی تاہم وہ ہمنگ وے
کی شاندار کہانی "دی اسنوز آف کلمن جارو" سے کہیں کہیں مختلف ضرور تھی چنانچہ گھر پہنچ کر میں نے یہ کہانی ایک بار
پھر پڑھی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ تفصیل تقریباً وہی تھی، البتہ بعض حصے حذف کر دیئے گئے تھے۔ لیکن ان کے
نہ ہونے سے کہانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ انھیں پیش کرنا بعض غیر ضروری
تفصیلات سے زیادہ نہ ہوتا۔" ("دی اسنوز آف کلمن جارو"، ممتاز شیریں کا ایک مضمون
مطبوعہ زندگی)، فلم دیکھ کر نئے نکتے کس طرح واضح ہو کر تنقید نگار کا کام آسان کر دیتے ہیں۔
اس کی روداد ممتاز شیریں ہی کی زبانی سنیئے" یہ بات البتہ قابل ذکر ہے کہ ایوا گارڈنر کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

واقعے کو جو ہیری کی پہلی بیوی کی محبت کے بارے میں ہے جس میں اسے بری طرح ناکامی ہوئی تھی، اس قدر اہمیت دی گئی ہے گویا یہ واقعہ یا تو کہانی کا سب سے اہم حصّہ ہے یا کہانی کے ان ضروری حصّوں میں سے ایک ہے جن پر کہانی کا دار و مدار رہے"۔ (دی اسنوز آف کلمن جارو"، مطبوعہ زندگی) فلم دیکھے بغیر اتنے بڑے نکتے کا انکشاف ممتاز شیریں پر بھلا کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ اصل کہانی میں یہی واقعہ زیادہ سے زیادہ ایک پیراگراف میں بیان کر دیا گیا ہے"۔ (کلمن جارو مطبوعہ زندگی) مقام افسوس ہے کہ ہاجرہ مسرور کی "تیسری منزل" کی کوئی فلم نہیں بنی اور ممتاز شیریں نے یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیا کہ "تیسری منزل ہاجرہ مسرور کی ادبی زندگی کی تیسری منزل ہے"۔ کسی فلم یا بحث کی وساطت کے بغیر اگر کتاب "تیسری منزل" کا افسانہ "تیسری منزل" پڑھا جائے تو دل سے یہی دعا نکلے گی کہ خدا نہ کرے ہاجرہ مسرور کی زندگی میں کبھی تیسری منزل آئے۔

مغربی حوالے اور افکار کی بات بہت دور جا نکلی۔ اس لئے ایک بار پھر ہم نئی تنقید کی ابتداء کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ سیاست جس نے اُردو تنقید کو جنم دیا تھا کب تک ساتھ دیتی۔ کیونکہ اُردو تنقید کسی انگریز "جنگی بیوہ" کا بچہ تو تھی نہیں کہ سدا سرکار انگلشیہ کی زیر سرپرستی عیش کرتی۔ دوسرے حکومت وقت کا وہ مقصد بھی پورا ہو چکا تھا جس کی خاطر یہ ادبی تحریک چلائی گئی تھی۔ (اقبال کے اثرات نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا۔ کاش ہم اقبال کی فکری تنقید کو ادبی تنقید کہنے لگیں) یہ وہ دور تھا کہ سرسید اور حالی کی تربیت یافتہ نسل "شوق سول سروس" اور ذوق پالٹکس میں انگلینڈ پہنچ چکی تھی۔ اور مغرب سے براہ راست فیضیاب ہو رہی تھی۔ اس لئے اب ادب کو کہیں ایسے نقاد کی ضرورت نہیں تھی جس کا دل تو مشرقی ہو اور ذہن مغربی۔ مگر حالی بھی حالی تھے۔ ماضی تو نہ تھے کہ نوادر کی الماری میں بند ہو جاتے اور سجاد ظہیر اور ملک راج انند جیسے لڑکے انڈیا آفس لائبریری میں شیشے والی الماری میں محبوس حالی کا معائنہ کر کے پیرس کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ ہو جاتے۔ سجاد ظہیر اور ملک راج انند کے کاندھوں

پر جو سر تھا اُس میں حالی کے تنقیدی نظریات کا تربیت یافتہ ذہن بند تھا۔ سجاد ظہیر اور
ملک راج آنند نوجوان تھے۔ حالی کی شخصیت میں شکست کھا جانے کی جو انفعالیت تھی و
ان دونوں کی شخصیت میں "شکست دے دینے" کی جذباتیت بن گئی۔ مزید یہ کہ انھیں اس ملک
کی ہوا بھی لگ چکی تھی جہاں بڑی بوڑھیاں اپنے بیٹوں کو بھیجتے آج بھی ڈرتی ہیں' اس لیے
ملک راج آنند اور سجاد ظہیر میں وہ مزاجی جھجک بھی نہ تھی جو حالی کے مشرقی مزاج میں تھی۔
یہ کھلم کھلا ادب میں سیاست اور بغاوت کا پرچم بلند کیے داخل ہوئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ
ان کے ہاتھوں میں وہ منشور بھی تھا جو لندن کے ناکنگ ریسٹوران میں تیار کیا گیا۔ اور جو
پیرس کانفرنس میں گورکی' ہنری' بار بوس' ٹامس مان کی زیارت کا شرف بھی حاصل
کر چکا تھا۔ ادھر یہ منشور ہندوستان پہنچا ادھر فیض احمد فیض نے سماج کی بھلائی اور ترقی
کی رو مقبولیت" کی خاطر ترقی پسند ادب کے معنی متعین کر دیے۔

"ترقی پسند ادب ایسی تحریروں سے عبارت ہے جن سے سماج کے سیاسی اور اقتصادی
ماحول میں ایسی ترغیبات پیدا ہوں جن سے کلچر ترقی کر سکے۔" ترقی پسند ادب ــــ میزان

ترقی پسندوں کے نزدیک معاشرے پر قیادت کرنے والی قوتیں سیاسی ہونے کے
ساتھ ساتھ اقتصادی بھی ہوتی ہیں' اس لئے لازم یہ ٹھہرا کہ حالی کے نظریات اور اصولوں
کو' جو صرف پولیٹیکل معاملات میں کارنامہ سرانجام دینے کے لئے بروئے کار لائے گئے تھے' اب
کچھ اور وسعت دی جائے یعنی اقتصادی معاملات میں بھی وہ جھنڈے گاڑے۔ اختر حسین
رائے پوری تنقید میں ایک نئی منزل کی نشاندہی کر ہی چکے تھے اس لئے احتشام حسین کا کام بہت آسان

"ادب کی اس حیثیت کو سمجھنا' ادیب کے ذہنی سرچشموں کا سراغ لگانا' سماج
کے ذہنی ارتقا کے مطابق فنی ارتقار کی توضیح کرنا اور قوم کی تہذیبی زندگی میں ادب اور
ادیب کے مقام کا تعین کرنا تنقید کہلاتا ہے۔" (اُردو تنقید کا ارتقاء ص ۳۰)

اب ذرا گنئے کہ سنہ ۱۹۳۶ء کی نسل کے نقاد کو کتنے کام کرنے ہوں گے۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

۱۔ ادب کی حیثیت کو سمجھنا۔
۲۔ ادیب کے ذہنی سرچشموں کا سُراغ لگانا۔
۳۔ سماج کے ذہنی ارتقاء کے مطابق فنی روایات کی توضیح کرنا۔
۴۔ ادب اور ادیب کے مقام کا تعین کرنا۔

ایک نقاد کے لئے یہ بہت کام تھے اور ترقی پسند نقاد جو ادب کا سیاسی اور اقتصادی جائزہ لینے کے خیال سے آگے بڑھا تھا، کمبل والی مصیبت میں پھنس گیا مگر اس درد کا علاج آخر دریافت کر لیا گیا۔ اس علاج کے تحت اب ادب کو سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ماضی سے رشتے توڑ لئے گئے اور ادیب کے ذہنی سرچشموں کا سراغ پانے کی کوشش کرنا وقت کی بربادی کے مترادف قرار پایا کیونکہ ماضی اور روایت سے رشتے توڑ لینے والے اپنی ہی ذات کو سرچشمہ بنا لیتے ہیں۔ وہ علاج یہ تھا کہ ترقی پسند نقاد نے تنقید کے جو اصول وضع کئے وہ ادیب کے وطن کے نہیں تھے، وہ ادیب کے ماحول کے نہیں تھے اور ان اصولوں کا کوئی رشتہ ادیب کی ادبی روایات سے بھی نہیں تھا بلکہ :۔

"اس دور کے تنقیدی اصول تلاش کرنے کے لئے ہمیں مارکسی عمرانی تنقید کو پیش نظر رکھ کر تنقیدی نظریات وضع کرنے ہوں گے۔" (تنقید کا ارتقاء)

اس لئے ترقی پسند تنقید کا مقصد صرف یہ رہ گیا کہ ادیبوں کی تخلیقات میں مارکسی نظریات اور تعلیمات کی نشان دہی کرتی چلے اور جن تخلیقات میں مارکسی نظریات کا سراغ نہ ملے انہیں ادب کے زمرے ہی میں شمار نہ کیا جائے۔ بہر حال یہ نسخہ بڑا تیر بہدف تھا لیکن "تنقید کے پھلنے پھولنے" کے باوجود مقطع میں یہ سخن گسترانہ بات آپڑی تھی کہ اس دور کے ادب، ادیب اور کلچر تینوں کو نقاد کے بجائے مرزا ترسون زادہ کی ضرورت تھی۔ ترقی پسند ادیب تو صرف یہ چاہتے تھے ـــــ "کہ ہندوستان کا نیا ادب بنیادی مسائل کو اپنا موضوع بنا لے۔ یہ بھوک افلاس کے سماجی مسائل ہیں۔ ہم ان تمام آثار کی مخالفت کریں گے جو ہمیں لاچاری، سماجی پستی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

اور اوہام پرستی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہم ان باتوں کو جو ہماری قوتِ تنقید کو ابھارتی ہیں اور رسموں اور اداروں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہیں، تغیر اور ترقی کا ذریعہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔"

(حرف اول ــــ سردار جعفری)

ترقی پسند ادیبوں نے اس اعلان کو پیش نظر رکھ کر "فراکشی ادب" تخلیق کیا۔ لیکن ترقی پسند نقاد نے اپنے اصول باہر سے درآمد کئے تھے اس لئے لازم یہ ٹھہرا کہ اس ادب کی صحیح ستائش بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے اپنے تنقیدی اصول "ہمیں فارن ایڈ" کی دوسری کیمپ میں عطا کئے گئے تھے اور اس طرح مشرق میں ادب کی عوامی اور سرمایہ دارانہ طاقتوں میں BALLANCE OF POWER برقرار رہا۔ اس حقیقت کی روداد کچھ یوں ہے کہ فرض کیجئے:۔

"کوئی کرشن چندر ایک کہانی، کوئی بجن بھٹاچاریہ ایک ڈرامہ لکھتا ہے اور کوئی احمد عباس انھیں ملا کر دھرتی کے لال تیار کر دیتا ہے۔ پھر یہ فلم سوئٹ روس پہنچتا ہے وہاں لاکھوں مزدور اور کسان اسے دیکھتے ہیں اور ان کا کوئی شاعر مرزا ترسون زادہ بن کر آتا ہے اور تاجکستانی زبان میں ہندوستان پر ایک شاندار نظم لکھتا ہے جسے پڑھ کر ہماری ہمت بڑھ جاتی ہے۔"

(ترقی پسند تحریک ــــ سردار جعفری)

کرشن چندر کی کہانی، بجن بھٹاچاریہ کا ڈرامہ، احمد عباس کے فلم "دھرتی کے لال" کی صورت میں ہندوستان میں فلاپ ہو جاتا ہے لیکن جونہی یہ فن پارہ روس پہنچا اور ادھر سے مرزا ترسون زادہ "تاجکستانی" زبان میں ہندوستان پر لکھی ہوئی ایک شاندار نظم اپنے ساتھ لے کر آیا، ادیبوں کی ہمت بڑھنے لگی۔ دیکھا آپ نے حالی کی وہی "اندرونی سیاست اور بیرونی حوالوں" والی تنقید نے کس طرح ایک نیا روپ دھارا؟ لیکن اب نقاد کے لئے ذہن کی تبدیلی ہی کافی نہیں تھی، اسے روپ بھی دھارنا تھا۔ سجاد ظہیر، فیض احمد فیض، ممتاز حسین اور مجنوں گورکھپوری تک مرزا ترسون زادہ بننے پر خوش تھے اور تنقیدی مقالات کے ذریعے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

مارکسی نظریات اور اشتراکی تعلیمات کا پرچار کر رہے تھے کیونکہ صرف اسی صورت "مالِ نایاب" کی کھپت ہو سکتی تھی مگر سردار جعفری سے روایت ہے " اردو کی ترقی پسند تحریک شہروں اور قصبوں تک محدود ہو گئی تھی" اور اس کے محدود ہو جانے کا عذر پیش کیا گیا "کام جس تیزی سے شروع ہوا تھا جاری نہ رہ سکا" ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ " شہر اور گاؤں کے رشتے کو استوار کیا جائے"۔ مگر ترقی پسند ادیب اپنے فن سے روس کے رشتے استوار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

جب سیاسی تحریک جاری نہ رہ سکے اردو تنقید مر جاتی ہے۔ یہی حادثہ ترقی پسند تحریک کے ساتھ پیش آیا اور دانشوروں کے ایک گروپ نے پاک ٹی ہاؤس کی ٹیبل ٹاک سویرا کے صفحات پر منتقل کرتے ہوئے ترقی پسند تحریک کو موت کا سرٹیفکٹ عطا کر دیا اور یہ سب کچھ کچھ اتنی سرعت سے ظہور میں آیا کہ قاری اب تک کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔ کیونکہ نئی نسل کے جس رسالے کو بھی اٹھا کر دیکھئے، ترقی پسند ادیب سرفہرست نظر آئیں گے۔ اس وجہ سے قاری کے دل میں یہ شبہہ اکثر پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں ترقی پسند تحریک کی یہ جبری ریٹائرمنٹ تو نہیں۔

کل کی تنقید پر نظر ڈال کر جب ہم اصولی طور پر آج تک پہنچتے ہیں تو کچھ یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ حالی سے لے کر ممتاز حسین تک، محمد حسن عسکری سے ہوتے ہوئے سلیم احمد تک اردو کے تمام نقاد پلاسٹک سرجری کے ماہر ہیں۔ حالی کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا کوئی کھچا، زخموں سے چور چور انسان مل گیا اور انھوں نے اس کے دماغ کی مرمت سیاست کے تقاضا اور ترویج کی خاطر کر دی۔ اس کے بعد یہی آدمی ۱۹۳۶ء کی تحریک والوں کے ہاتھ لگا۔ انھوں نے نبض پر ہاتھ رکھا۔ دماغ کا معائنہ کیا اور تشخیص کی کہ " دماغ تو اس آدمی کا ٹھیک ہے لیکن پیٹ کی حالت تباہ ہے"۔ اس کے بعد پیٹ اور پیٹ سے متعلق جملہ امراض کے ماہر کارل مارکس کی دوائیاں تجویز فرما دیں اور ساتھ ساتھ تاکید بھی کی کہ روح اور دماغ کے کسی اور تقاضے کی طرف توجہ دی تو بلا موت مارے جاؤ گے"۔ مگر یہی کہنا قیامت ہو گیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

نئی نسل میں ایک اور ڈاکٹر پیدا ہو چکا تھا اور نام اُس کا حسن عسکری تھا۔ انھوں نے
مجروح کو جراحی کی میز پر لٹاتے ہوئے کہا: "میاں تم تو آدمی ہو۔ اب تک خواہ مخواہ تمھیں
انسان بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی"۔ یہ کہہ کر وہ "آدمی اور انسان" لکھنے میں معروف
ہو گئے۔ اور اس آدمی کی تفصیلی دیکھ بھال ان کے (UNDER STUDY)
سلیم احمد کے ذمہ آن پڑی۔ انھوں نے بھی مریض کو بڑے غور سے دیکھا بھالا۔ پہلے ڈاکٹر
کی جہالت پر مقالے لکھے اور ثابت کیا کہ اس آدمی کے نہ تو دماغ میں کچھ خرابی ہے اور نہ
پیٹ میں۔ "اصل خرابی یہ ہے کہ یہ آدھا آدمی ہے۔ اس غریب کا نچلا دھڑ ہی نہیں ہے"۔
بات شروع ہوئی تھی محمد حسن عسکری سے اور پہنچی سلیم احمد تک، یعنی جہاں پہنچنا
چاہیے تھی وہیں پہنچ گئی۔ اس لیے بات کو یہیں روک کر اب نئی نسل کی تنقید کی طرف
پھر واپس آتے ہیں۔ محمد حسن عسکری نے اُردو تنقید میں آدمی اور انسان کی اس جدوجہد
کا اندازہ بڑی کاوش سے لگایا، کیونکہ فکر کی بات یہ تھی کہ ادھر مغرب میں:-

"انیسویں صدی کے آخر تک ادیبوں اور شاعروں نے اپنے ٹھوس تجربات کے ذریعے
ثابت کر دیا تھا کہ انسان کا یہ تصور بجائے خود انسانیت کو برباد کر دینے کے لئے کافی ہے"۔
(آدمی اور انسان)

اور ادھر مشرق میں انسان ابھی تک آدمی ہی کو شکست دینے کی کوشش میں
مصروف تھا! کیا قیامت تھی کہ مغرب میں ادب کا نیا دور جنم لے اور مشرق میں نیا آدمی
یا نئی نسل بھی جنم نہ لے سکے۔ مزید براں محمد حسن عسکری کا دل جلانے کو فلوبیر، بودلیئر
اور ٹامس مان نے اپنی تخلیقات میں یہ اعلان بھی کر دیا:-

"ہماری تخلیقات میں عام آدمی کی فتح ہو گی"۔

اس لئے محمد حسن عسکری نے کوشش کی کہ اُردو ادب میں بھی جلد از جلد نئی نسل جنم
لے لے اور اس کے لئے انھوں نے انسان اور آدمی کا یہ نیا رجحان جو مغرب کا نیا رجحان تھا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ادب میں پیش کیا۔ آخر انھوں نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی وجہ خود محمد حسن عسکری نے یہ بتائی :-

"میں نے اردو ادب کے بارے میں کوئی سوجھ بوجھ کی بات کی ہے تو وہ یہ کہ میں نے
مغربی ادب سے چند امتیازات سیکھے ہیں۔" (ہیئت اور مواد)

لیکن کیا آدمی اور انسان کا یہ تصور جو مغرب میں مروّج تھا اس کا کوئی وجود ہمارے معاشرہ میں کبھی تھا؟ ہمیں تو اردو ادب میں صرف دو انسان نظر آتے ہیں۔ سرسید کا سیاسی انسان اور اقبال کا مردِ مومن۔ کیا محمد حسن عسکری نے اردو ادب میں انسان اور آدمی کا تصور پیش کرتے ہوئے ان دو انسانوں کے تصور کو بھی اپنے ذہن میں رکھا تھا؟ ارسطو کا دو پایہ والا انسان، مانچسٹر اسکول کا معاشی انسان، ایلوس کا عقل رکھنے والا انسان، اور روسو کا معاشرتی انسان ہمارے معاشرے میں کہاں ہے؟

محمد حسن عسکری نے اس رجحان کو جب اردو ادب میں روشناس کروا ہی دیا ہے تو چلئے ہم بھی دیکھتے چلیں کہ آخر آدمی کی زندگی اور اس کے مطالبات کا کیا تصور ہے؟ آدمی کے بارے میں محمد حسن عسکری مغرب کی وساطت سے آگاہ ہوئے تھے۔ اس لئے عورت کے بارے میں بھی کچھ جاننے کے لئے وہ مغرب میں ہی پہنچے اور ان پر یہ انکشاف ہوا کہ مغرب میں نہ کوئی مرد ہوتا ہے اور نہ کوئی عورت وہاں تو جنس ہی ہوتی ہے۔ جب سیکس کا یہ دُرِ نایاب ہاتھ لگا تب جا کر ان کی سمجھ میں آیا "کہ تخلیقی اعتبار سے بس ایک منٹو کیوں زندہ ہے" اور "عزیز احمد کے افسانوں میں اب جان آتی جا رہی ہے"۔ سیکس کی یہی تھیوری تھی جس کے سہارے بعد میں سلیم احمد نے "نئی نظم اور پورا آدمی" لکھ ڈالی۔ اور یہ ثابت کیا کہ اردو کے تمام شاعر ڈیڑھ سو سال سے سیدھے کھڑے ہو کر شاعری کر رہے تھے جب کہ استاد مکرم حسن عسکری صاحب کا فرمان ہے:-

"شعر کہنے کے لئے شاعر کو واقعی یوں ہی کھڑا ہونا پڑتا ہے کہ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر، حقیقت
کی شکل صرف اسی طرح نظر آتی ہے۔" (سیلاسے کی نظمیں۔ حسن عسکری)

اب یہاں سلیم احمد کا سارا تجزیہ کچھ غلط نہیں ہو جاتا کہ اردو شاعری کا صرف اوپر کا دھڑ ہے۔ عام زندگی میں اوپر کے دھڑ سے جو مراد لی جاتی ہے، وہ محمد حسن عسکری کے یہاں حقیقت کی شکل دیکھنے کی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کوشش میں نچلا دھڑ بن چکا ہے۔ اور یہ ہم مان بھی لیں کہ اُردو کے تمام شاعر محض سید ھے کھڑے ہو کر شاعری کر رہے تھے تو وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ سالم وجود کے ساتھ" اس طور" حقیقت کی شکل اختر شیرانی کو کیسے نظر آ سکتی تھی جب کہ ہمارے معاشرے کو" اسکرٹ تہذیب" سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

بات صرف اتنی سی ہے کہ جب محمد حسن عسکری سڑک پر چل رہے تھے اُسوقت اُن کی مشکل حل کرنے کے لئے کوئی موجود تھا مگر جب سلیم احمد نے چلنا شروع کیا تو سامنے سڑک خالی تھی۔ ادھر سلیم احمد نے سوچا تھا۔ "یہ مرد عورت کا رشتہ ہے جس کی مدد سے فرد اپنے آپ کو دوبارہ پیدا کرتا ہے" "تاکہ انسان کو فرد کی محدود زندگی کے دائرے سے نکال کر کائنات کے وسیع تر دائرے میں داخل کر دیا جائے" لیکن اُدھر جب سامنے سڑک ہی خالی ہو تو یہ نظریہ منہ چڑھاتا نظر آتا ہے۔ سلیم احمد نچلے دھڑ کی مرمت کرتے رہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ اچھا ہے کہ ہر بیماری دور ہو جائے لیکن اتنی درخواست ضرور ہے کہ نچلے دھڑ کی مرمت سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس" شاعر" کے دل پر بھی ہاتھ رکھ کر دیکھ لیں۔ کیا معلوم اصل مرض کا سُراغ یہاں سے مل جائے اور اس آدمی کو رخصت کرنے سے قبل سلیم احمد اسے یہ بھی بتا دیں کہ ہمیں اس کے بودلیئر پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ بودلیئر کو نہ پڑھنا بھی ایک بہت بڑا ادبی سانحہ ہے لیکن اس سے بڑا حادثہ یہ ہوگا کہ اقبال کو پڑھے بغیر بودلیئر کو پڑھ لیا جائے۔ اس آدمی یا انسان کو ارسطو، لیوس، مارکس اور روسو کے انسان کا تصور دینے کے بجائے سلیم احمد اگر اقبال کے اس پرانے آدمی ہی کا پتہ بتا دیں جس کا تذکرہ انھوں نے" نیا عہد نامہ یا ب پیدائش" میں بھی کیا ہے تو اُردو تنقید پر ان کا یہ احسان عظیم ہوگا کیونکہ بودلیئر، ٹامس مان اور فلا بیئر کے آدمی سے تو بہر حال اقبال کا انسان ہی بہتر ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا" اپنا" انسان ہے۔ ہماری نئی تنقید کا کوئی ماضی نہیں ہے۔ مستقبل کو درخشاں بنانے کے لئے ہمیں ماضی سے جس قوتِ نمو کی ضرورت ہے۔ وہ ہم اجنبی زمینوں سے اخذ کرنے میں کیوں ضائع کریں۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

آپ کو بھی
طاقت بخش اجزا
کی ضرورت ہے
آپ بھی

سنکارا

لیجیے

سنکارا تمام ضروری وٹامنوں اور طاقت بخش دیسی جڑی بوٹیوں کا ایک بے نظیر مرکب ہے، جو روزمرہ کی خرچ شدہ طاقت کو بحال کرتا ہے اور صحت و توانائی کو بڑھاتا ہے ہمیشہ سنکارا استعمال کیجیے۔ اس سے چست و مستعد زندگی اور بھرپور قوت حاصل ہوگی۔

ہر موسم میں سب کے لیے ہمدرد کا جنرل ٹانک

ہمدرد



ادب کی اعلیٰ قدروں کا ترجمان

دو ماہی

آب و رنگ

کانپور

جولائی سنہ ۱۹۶۱ء سے
منظرِ عام پر
آچکا ہے

مدیر اعلیٰ
سنگھ امرتسری

زر سالانہ : چھ روپے

پتہ
دو ماہی آب و رنگ
۱۲۶/ب ۷ جی. گو بند نگر، کانپور ۶

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

مکتبہ شاہکار سے مندرجہ ذیل کتابوں کے علاوہ اپنی پسند کی ہر کتاب طلب فرمائیں ۔ شاہکار کے خریداروں کو خاص رعائت دی جائے گی ۔

اینٹ کا جواب	(افسانے)	؍؍	-/۴
اعتبار نظر	(مضامین)	احتشام حسین	۴/۵۰
کل کی باتیں	(افسانے)	رام لعل	-/۵
مجازؔ حیات اور شاعری	(تنقید)	منظر سلیم	۴/۵۰
بہار کا پہلا دن	(ناول)	علاء الدین آزاد	-/۴
سپہ سالار خلجی	(ناول)	مائل ملیح آبادی	-/۵
دارا شکوہ	(ناول)	قاضی عبدالستار	۴/۵۰
چاندنی اساڑھ کی	(مجموعہ کلام)	راج نرائن راز	-/۳
نور فردا	(مجموعہ کلام)	عتیق احمد عتیق	-/۳
ملّا نصیر الدین کے لطیفے	(مزاحیہ)	احمد جمال پاشا	-/۴
فن لطیفہ گوئی	(پھڑکتے لطیفے)	؍؍	-/۳
ہجویات میر	(انتخاب ہجویات)	؍؍	۳/۵۰
شوکت تھانوی کی مزاحیہ صحافت	(تنقید)	؍؍	-/۳
ستم ایجاد	(طنز و مزاح)	؍؍	۴/۵۰
تنقیدی مطالعہ	(تنقید)	پروفیسر انور سیلوانی	-/۳
بھوپال میں غزل	(شعری انتخاب)	مرتب: دلکش ساگری	۲/۵۰
یاسؔ یگانہ چنگیزی	(تنقید)	راہی معصوم رضا	-/۶
شب گزیدہ	(ناول)	قاضی عبدالستار	۳/۷۵
اُجلی پرچھائیاں	(افسانے)	اقبال متین	۶/۰

مکتبہ شاہکار ۱۳۴ بخشی بازار — الہ آباد ۳

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

کرشن موہن

دنیا تو آخر دنیا ہے، کوسے گی الزام دھرے گی
اپنے چاہنے والوں کو بھی، نرموہی بدنام کرے گی

میرا من تھا کتنا چنچل، اندھیارے کو سمجھا کاجل
دھیان کہاں تھا عقل کی مایا پلکوں کی چھایا سے ڈرے گی

ایسا وقت بھی آنے کو ہے، جس میں اُجیارا جیتے گا
پیت کی نرمل جوت جلے گی نفرت بے بس ہو کے مرے گی

مست پَوَن چلتی ہے بن بن، گلشن گلشن آنگن آنگن
پیار بھرا ہے اس کا جیون، پیار کیا ہے پیار کرے گی

پیار کی جوت ہو تیرے اندر، تو سارا سنسار ہے مندر
بیرن دھوپ بھی کومل چھایا، بن کر تیرے من کو ہرے گی

اس بیری سنسار میں کچھ دن پیار کا اک اوتار آیا تھا
جس کے برہ میں سندر رچنا نس دن ٹھنڈی آہیں بھرے گی

جس کا تن تھا مورت، بھوگی، جس کا من تھا رمتا جوگی
اک البیلا شاعر جس کو دنیا برسوں یاد کرے گی

آپ کی یاد کے سوا، آپ کے نام کے سوا
دل میں کوئی مکیں نہیں حسنِ تمام کے سوا

گردشِ صبح و شام میں، بادہ ہے باعثِ سکوں
ہیچ تمام گردشیں، گردشِ جام کے سوا

جیسے ہجوم یاس میں آس کی اک جھلک سی ہو
چاروں طرف ہے تیرگی، جلوۂ بام کے سوا

یوں تو کئی شجاع تھے شوق کے کارزار میں
کوئی نہ کام آسکا تیرے غلام کے سوا

سحر ہے حسنِ کائنات، قید فریب ہے حیات
حاملِ جستجو ہے کیا دانہ و دام کے سوا

کام کا دام ہی نظر آتا ہے ہر مقام پر
تیرے جہاں میں اور کیا رکھا ہے کام کے سوا

عشق میں جان زار ہے واصلِ کیف مستقل
اور ہے کیا متاعِ دل سوزِ دوام کے سوا

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

باقر مہدی

بے وجہ خوار ہو کے پشیماں یونہی چلے
مجبوریوں کے ساتھ ہم اپنی خوشی چلے

ہر سمت اُڑ رہی ہے وہی بے رُخی کی راکھ
تنہائی ہم کو ساتھ جہاں لے چلی، چلے

بازیگروں کا دور گیا، ٹوٹی ہر صدا
سردار کا طلسم، نہ اب ساحری چلے

موسیٰ بھی آج نیل کے طوفاں میں بہہ گئے
یہ کس کی جستجو میں نئے سامری چلے؟

بادل برس کے خوف کی وادی میں رہ گئے
ہم بجلیوں کے ساتھ بصد بیکسی چلے

باقر کسی خموش جزیرے میں جا بسو
قوالیوں کے شہر میں کیا شاعری چلے

آئینہ توڑ کے چہرا دیکھوں
عکس کرے میں تڑپتا دیکھوں

پھول کو ریت میں کھلتا دیکھوں
کانٹے کانٹے پہ مچلتا دیکھوں

آسمانوں سے پرے جا کر میں
اے خدا تجھ کو بھی تنہا دیکھوں

میں جو بولوں تو ہر اک شخص خفا
اور خاموشی کو رسوا دیکھوں

کالے کاغذ کی نئی نظموں میں
لالہ شعلہ سا بھڑکتا دیکھوں

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

قیصر الجعفری

زخمی سازوں کی جھنکاریں باسی پھولوں کی مہکار
اپنی دوکاں کا سرمایہ، اپنے دامن کا معیار

ساری شادابی تو پی لی پچھلے سال کے سورج نے
نذر کیے موسم نے ہم کو سوکھے پتوں کے انبار

ٹوٹ چکے تھے پاؤں کے گھنگرو جلی باہیں تنبیہیں تھیں
ہم پہنچے تو بند پڑے تھے رقص و نوا کے کاروبار

مایوسی کی دھوپ میں جل کر سب امیدیں خاک ہوئیں
شہر تمنا گھوم کے دیکھا بے سایہ ہر راہ گذار

لگتا ہے جیسے ہم پر بھی عہدِ محبت گذرا تھا
پڑھتے ہیں اور رو دیتے ہیں پچھلی غزلوں کے اشعار

رستوں کی تقدیر جگا کر خود جا سوئے خاک تلے
صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں ہم جیسے تنہا رفتار

دنیا بھر کی ٹھوکر کھا کر دنیا داری آ ہی گئی
قیصر جی بھی سیکھ گئے ہیں میٹھی باتوں کا بیوپار

بشر نواز

تنہائی کے صحراؤں میں دل سوچ رہا ہے
وہ پھول کی خوشبو ہے کہ ساون کی گھٹا ہے

دیوار سی حائل ہے کوئی روح و بدن میں
خوابوں میں وہ موجود ہے پہلو سے جدا ہے

رہ رہ کے اٹھا لیتے ہیں پڑھ لیتے ہیں خط کو
کیا جانیے اس سادہ سی تحریر میں کیا ہے

ہر چہرہ میں آتا ہے نظر اپنا ہی چہرہ
ہر گام پہ جیسے کوئی آئینہ کھڑا ہے

کیا عمر بھی اپنی کسی دریا کا سفر ہے؟
ہر موج نفس میں کوئی گرداب بلا ہے

لڑتے رہے اک عمر کسی اور سے لیکن
دیکھا تو خود اپنے ہی کو ہر زخم لگا ہے

تحریر نہ مٹ جائے کہیں دیکھ کے چلئے
ہر موج نے ساحل پہ کوئی گیت لکھا ہے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

زیب غوری

اس تپتے صحرا میں دروازہ کیسا
کتنی دور سے آتی ہے دستک کی صدا

صبح مجھے پھر جھانک رہا تھا کھڑکی سے
اک چہرہ پژمردہ سا پیلا پیلا

گھیرے کھڑے تھے ساحل پر اک نعش کو لوگ
مُٹھی کھول کے دیکھی تو موتی نکلا

جانے کیا کہہ دیں مجھ سے میری آنکھیں
کون آئینے میں دیکھے اپنا چہرا

یہ چٹان سی خاموشی یہ غار سی رات
اِس سنّاٹے کی کوئی تصویر بنا

وہ آواز کسی کے رونے کی ہی تھی
میں گھر سے باہر آیا تو کوئی نہ تھا

شہر کی بارونق سڑکوں پر جب میں نے
اپنے کو ڈھونڈا تو کوئی اور ملا

روتے روتے خشک ہوئیں میری آنکھیں
اِس پیاسی دھرتی پہ کوئی دریا نہ بہا

سرد نہ پڑ جائے زیب اُسکی یاد کی آگ
کھڑکی کے جلتے شیشوں سے ہونٹ ملا

خان ارمان

جتنی دیر اندھیرا ہے اِتراؤ گے اٹھلاؤ گے
ذرا سحر ہو لے پھر دیکھیں، کیسے آنکھ ملاؤ گے

دیوانے پھر دیوانے ہیں، مچل گئے تو کیا ہوگا
جھوٹی سچی آس دلا کر، یوں کب تک بہلاؤ گے

علم و عمل کا دیپ جلائے گرم سفر ہیں ہم جس پر
اے دنیا والو اِک دن، تم سب اِس راہ پہ آؤ گے

کس کو خبر تھی عشق کے ہاتھوں ایسا وقت بھی آئیگا
بات کوئی بھی سوچیں گے ہم، دھیان میں تم آ جاؤ گے

چاہنے والے بہت ملیں گے، خیر ہو حُسن و جوانی کی
لیکن ہم جیسے سادہ دل، دوست کہاں سے لاؤ گے

یہ سوچی سوچی سی آنکھیں، اُترا اُترا سا چہرہ
کون تمھیں اتنا چاہے گا، کس کو یوں یاد آؤ گے

اپنا غم، دنیا کا غم اور ساتھ میں لاکھوں بپتائیں
اے ارمان، اِس کڑے جتن سے کتنے دن جی پاؤ گے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

فضل المتین

ازل سے اپنا شناسا دکھائی دیتا ہے
جو سایہ ساتھ میں چلتا دکھائی دیتا ہے

ہر ایک بزم میں موضوعِ داستاں بن کر
وہ شرمسار ہمیشہ دکھائی دیتا ہے

وہ جس کو گھر کا ہر اک فرد چاہتا ہے بہت
نہ جانے کس لئے تنہا دکھائی دیتا ہے

یہ وقت آپ بتائے گا، کل وہ کیا ہوگا
بظاہر آج تو اپنا دکھائی دیتا ہے

کسی بھی راہ سے گزرو، نظر اٹھاؤ جہاں
وہ ہر دریچے میں بیٹھا دکھائی دیتا ہے

اندھیرا ہو گیا، ہر سمت چھا گئے بادل
متینؔ پانی برستا دکھائی دیتا ہے

کمار پاشی

کیوں ڈراتے ہو مجھے موت کا سایا بن کر
میرے سینے میں اُتر جاؤ اُجالا بن کر

کیوں نہیں چلتے کہ جانا ہے بہت دور ابھی
کیوں یہاں رُک گئے بیکار تماشا بن کر

ٹوٹ کر بجھ گئے آکاش کے سارے سورج
اور میں رہ گیا اس دہر میں اندھا بن کر

میں ہی اک زہر لگا اپنوں کو بیگانوں کو
میں ہی اک قتل ہوا شہر میں سچا بن کر

کیوں بھلا چھوڑ نہیں دیتا وہ تنہا مجھ کو
کیوں مرے ساتھ لگا رہتا ہے سایا بن کر

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

محمود شام

وقت کے کتنے ہی دھاروں سے گزرنا ہے ابھی
زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

کٹ گیا دن کا دہکتا ہوا صحرا بھی تو کیا
رات کے گہرے سمندر میں اُترنا ہے ابھی

ذہن کے ریزے تو پھیلے ہیں فضا میں ہر سو
جسم کو ٹوٹ کے ہر گام بکھرنا ہے ابھی

کون ہے جس کے لئے اب بھی دھڑکتا ہے دل
کس کو اِس اُجڑے جزیرے میں ٹھہرنا ہے ابھی

یہ سجے بام، جواں چاندنی، یوں لگتا ہے
اک ستم اور ترے شہر کو کرنا ہے ابھی

ایک اک رنگ اُڑا لے گئی بے مہر ہوا
کتنے خاکے تھے جنہیں شام جی بھرنا ہے ابھی

ناصر شہزاد

دل پہ تھی ثبت جو تحریر، مٹائی نہ گئی
کس کی تصویر تھی، تصویر بھلائی نہ گئی

آ کے اُس بن میں کبھی، پھر نہ ملے دو پریمی
گھاس پگڈنڈیوں سے، جھیل سے کائی نہ گئی

پیار کی آنچ سے جل اُٹھا کنول کانت بدن
اُس سے صورت مری نینوں میں چھپائی نہ گئی

مجھ میں رچ بس کے بھی تو، مجھ سے الگ خود سے الگ
تیرے جیون کی اَمٹ رُوپ اکائی نہ گئی

ٹوٹے کتبوں کے سوا مل نہ سکا کچھ بھی، مگر
اس مٹے شہر کے ٹیلوں کی کھدائی نہ گئی

رات بھر جل پہ گریں جلتے ستاروں کی لویں
مجھ سے چادر کوئی ندی پہ بچھائی نہ گئی

اُس کے درشن سے ملی، مجھ کو خود اپنی پہچان
شکل اک، روح تلک، صورت آئینہ گئی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

تیکھے، منفرد اور عظیم طنز نگار
شاد عارفی کے مضامین، نظموں اور غزلوں کا مجموعہ

نثر و غزل دستہ

"کتاب دل چسپ بھی ہے اور بصیرت افروز بھی شاد کی انفرادیت کو سمجھنے کے لئے اور بیسویں صدی کی اردو شاعری میں ان کا درجہ متعین کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔"
آل احمد سرور

ضخامت تقریباً پانچ سو صفحات۔ قیمت صرف آٹھ روپیہ
مرتب:۔ مظفر حنفی

"مظفر حنفی کا کلام دیکھا تھا، اس کے افسانے پڑھ کر میری نظروں میں اس کی توقیر دو چند ہو گئی۔ میں نے سوچا اس ادبی مجاہد کے نیام میں دو تلواریں ہیں اور دونوں کا وار کاری ہوتا ہے...... وہ پرانی قدروں پر نہایت لطیف اور چابکدست انداز میں طنز کرنے کے فن میں مشاق ہے......"
کنھیا لعل کپور

اینٹ کا جواب

مظفر حنفی کے اکیس منتخبہ افسانوں کا مجموعہ
ضخامت: ۲۴۰ صفحات — قیمت چار روپیہ

بانی کی زبان کے بعد مظفر حنفی کا نیا مجموعۂ کلام

تیکھی غزلیں

نئی شاعری کی نئی جہت — جس پر صرف مظفر حنفی کی انفرادیت ثبت ہے — اس کتاب میں اُس کی ۱۰۰ غزلیں شامل ہیں — "مظفر حنفی کی غزل مجھے برابر ارتقا کی طرف قدم بڑھاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ ان نئے شاعروں میں ہیں جنھوں نے شاعری اور فن کے لیے اپنے آپ کو پورے طور پر وقف کر دیا ہے اور اس کے لیے وہ ریاضت کی ہے جس کے بغیر شاعر کی انفرادیت نہیں اُبھر سکتی۔ اُن کی ہر غزل سابقہ غزل کے مقابلے میں ایک نوع کی تازگی اور تیکھا پن لے کر سامنے آتی ہے۔"
خلیل الرحمن اعظمی

قیمت: صرف چار روپے

مظفر حنفی کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ

دیدۂ حیراں

تیزی کے ساتھ طباعت کی منزلوں سے گزر رہا ہے
"مظفر حنفی شعر بھی کہتے ہیں اور فسانہ بھی۔ دونوں کا انداز بیان الگ الگ رکھتے ہیں۔ فسانے کو شعر اور شعر کو فسانہ نہیں بناتے۔"
کرشن چندر

ہم سے طلب فرمائیے:

مکتبہ شاہکار ۱۳۴ بخشی بازار الہ آباد ۳

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

ترقی کی بلند پروازی

مزدور مالک بنے

جب انسان چاند تک پہنچتا ہے تو عالمی خبر بن جاتا ہے لیکن جیپ کے ملازمین کی ترقی کی جو پرواز ہوئی ہے اور جس کی خبر بن حال ہی میں صنعت و حرفت کے افق پر بجلی کی مانند چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، کسی بھی طرح غیر اہم نہیں ہیں۔ ہم تو کہیں گے کہ غریب ایشیا کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔ آیئے ہم آپ کو مفصل طور سے اس کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح سب سے پرانے پچھتر مزدوروں کے سروں پر جناب ایم۔ آر۔ شیروانی ایم۔ پی نے مالکانہ شان و شوکت کا تاج رکھ کر انھیں اپنے ساتھ برابری کا درجہ دیا ہے۔

اپنی ترقی پسند زرّیں اصولوں کی بنیاد پر جناب شیروانی صاحب نے یہ طے کیا کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم خاص جیپ کے دیرینہ ملازمین کو مفت تحفہ کی شکل میں تقسیم کی جائے۔ ملازمین نے اس عطیہ سے کمپنی کے شیر خریدے اور اپنے لئے مالک کا درجہ حاصل کیا۔

اسی طرح جو ساتھی جیپ میں سنہ ۵۶ء سے لگاتار کام کر رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو ۱۲۰۰ روپیوں کے حصّے ملے۔ سنہ ۵۵ء سے کام کرنے والوں کو ۱۴۰۰ روپے کے حصّے ملے اور سنہ ۵۴ء سے کام کرنے والوں کو ۱۶۰۰ روپے کے۔ سنہ ۵۳ء سے کام کرنے والوں کو ۱۹۰۰ روپے کے۔ سنہ ۵۱ء سے کام کرنے والوں کو ۲۳۰۰ روپے کے، اور جو سنہ ۵۰ء سے لگاتار کام کر رہے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کو ۲۶۰۰ روپیوں کے شیر ملے ہیں۔ اسی طرح تقریباً ۷۰ پرانے ملازمین نے اپنی خدمات کے مطابق ایک ہزار دو سو سے لے کر دو ہزار چھ سو روپیوں تک کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

شیئر مفت حاصل کیے۔

لیکن سب سے افضل عطیہ جیپ کے سب سے پرانے ملازمین کے لیے رکھا گیا ہے۔ جو ۵۰ سے پہلے شیروانی انٹرپرائزز میں کام کر رہے تھے اور اب بھی جیپ کمپنی میں ہیں، ہر ایک ایسے مزدور بھائی کو چار ہزار پانچ سو روپے تحفے کے طور پر ملے۔ جس سے کہ ہر ایک ایسے ملازم نے سو روپے والے پینتالیس پری فرنس شیئر خریدے ہیں۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ کسی بھی ادارے کی ترقی کا راز اس کے ملازمین کی محنت و جفاکشی ہے۔ جیپ کے ملازمین اپنی کمپنی دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اور کارکنان ادارہ کو بھی اس بات کا فخر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملازمین جفاکش کی ترقی، سماجی و اقتصادی تحفظ دکھلائی میں خاص دلچسپی لیتے ہوئے ہر لمحہ کوشاں رہتے ہیں کہ جیپ میں کام کرنے والے ترقی کریں اور اپنی کمپنی کو اور آگے بڑھائیں۔

جناب شیروانی صاحب کا یقین کامل

جناب شیروانی صاحب ایم۔ پی نہایت بے چین ہیں کہ ملازمین مالک بنیں اور انھیں یقین ہے کہ جیسے جیسے ملازمین کا حصّہ کمپنی میں بڑھے گا ویسے ویسے مالکانہ فخر بھی اُبھرے گا اور پھر وہ اور زیادہ کوشش کر کے اپنی کمپنی کو آگے بڑھائیں گے۔ جیپ کے ملازمین نے ہمیشہ کارکنان ادارہ کی فرض دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔

اسی باہمی اشتراک کی بنیاد پر جیپ نے اتنی تیزی سے ترقی کی جس کے نتیجے میں یہاں کے ملازمین کو اتنے قیمتی فائدے حاصل ہوئے۔ جیپ میں کارکنان و ملازمین (جو اب مالک بنتے جا رہے ہیں) کے درمیان باہمی یقین و عزت کی وجہ سے وہ دن دور نہیں جب مزدوروں کو اپنی زندگی بہتر بنانے کے لئے اور زیادہ نئی نئی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اس طرح وہ بھارت کو مضبوط و خوشحال بنانے کی منزل کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتے جائیں گے۔

منجانب :- جیپ فلش لائٹ ایمپلائز یونین ۲۸۔ ساؤتھ روڈ، الٰہ آباد

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

تبصرے

لفظوں کا پُل
از ندا فاضلی۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳ (بی۔ آر)

قیمت: ساڑھے تین روپے مجلّد

ندا فاضلی نئی نسل کے ذہین اور منچلے شاعروں میں ہیں اور ان کا مجموعۂ کلام لفظوں کا پل حال ہی میں شائع ہوا ہے جس میں پابند اور آزاد نظمیں، گیت اور غزل شامل ہیں۔ شاعری دماغ کا سودا ہو یا دل کا جذبے پر زور دیتی ہو یا خیال و مضامین پر ایک ہی بنیادی مقصد پورا کرتی ہے: شاعر کے بیدار لمحوں کا قاری کو احساس دلانا اور اس احساس میں شرکت کی دعوت دینا۔ شاعر اس کے لئے طرح طرح کے جتن کرتا ہے۔ فنکاری اظہار و بیان، تجربہ اور معنی کا سہارا لیتا ہے اور اس منزل دشوار سے گذرنے کے لئے لفظوں کے پل بھی بناتا ہے۔ اس عمل کا بڑا حصہ شعوری ہوتا ہے، موضوعات کے انتخاب میں بھی اس کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ اس بنا پر اگر ندا فاضلی کے مجموعہ کلام کا مطالعہ کیا جائے تو موضوعات اور خیالات ہی میں نہیں طرز اظہار میں بھی نئے اور پرانے کی بہت سی آمیزش ملے گی۔ جنسی گھٹن، ماضی کی جستجو میں تسکین، بھرے پُرے شہروں کی غیر انسانی فضا، موسمی اثرات سے پیدا ہونے والے نفسیاتی پہلو، محبت کی بے ثباتی ایسے موضوعات ہیں جو پرانے بھی ہیں نئے بھی۔ بہت سے نئے شاعر انھیں صرف قدیم اور فرسودہ سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں لیکن ندا فاضلی نے اپنے تجربوں میں انھیں نمایاں جگہ دی ہے اور اُس ارضیت سے اپنا رشتہ جوڑا ہے جو ماضی کی یادوں کے ذریعہ حال اور مستقبل سے رابطہ قائم کرتی ہے۔ اس مجموعہ میں ان کی بعض معنی خیز نظمیں، موضوع کے اعتبار سے فرسودہ ہونے کے باوجود دلکشی رکھتی ہیں جیسے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

دو کھڑکیاں، نقابیں، بھور، دو سہیلیاں اور آدمی کی تلاش۔ ندا فاضلی کی شاعری میں ہندوستانیت اور خاص کر بارہ ماسہ کی فضا اتنی نمایاں ہے کہ اُس نے غزلوں کے اشعار کو بھی ہندی دوہوں کا لہجہ اور رنگ دے دیا ہے۔ اُن کے تجربے محدود اور خیالوں کے محور چند ہیں، جنکی تکرار کہیں بے کیفی پیدا کرتی ہے اور کہیں سطحیت۔ پھر بھی اس مجموعہ کا مطالعہ کرنے والا نئے ذہن کے بعض گوشوں سے اور بعض شعری تجربوں سے روشناس بھی ہوگا اور لطف اندوز بھی۔

نغمۂ شب

از اختر بستوی۔ شب خون کتاب گھر۔ ۳۱۲ رانی منڈی۔ الہ آباد قیمت مجلد دو روپے

طویل مثنویوں اور مرثیوں کے بعد سے اُردو میں طویل نظمیں کم لکھی گئی ہیں۔ موجودہ عہد میں زیادہ طویل نظموں کی افادیت اور دلکشی دونوں مشکوک ہیں۔ اختر بستوی کی یہ نظم تقریباً دو سو اشعار پر مشتمل ہے، اسے محض اضافی طور پر طویل کہہ سکتے ہیں اسی لئے اس کا مطالعہ ذہن پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ نظم کا اصل موضوع زندگی ہے جو حسین بھی ہے اور بدصورت بھی، جس میں نغمہ بھی ہے، فریاد بھی، جسے اپنے فکری لمحوں میں ہر صاحب دل محسوس کرتا ہے۔ اختر بستوی نے انھیں خیالات کو زبان دے دی ہے اور بڑے خلوص سے اپنی بصیرت کے مطابق زندگی کے مختلف مناظر کو شاعرانہ انداز میں پیش کر دیا ہے۔ رات شاعر کی زبان سے اپنے دامن میں چھپی ہوئی عریانیوں، بے عنوانیوں اور رنگینیوں کی صورت گری موثر انداز میں کرتی ہے اس لئے شروع سے آخر تک تاثر کی ایک فضا قائم رہتی ہے۔ گو شاعر نے موضوع کی مناسبت سے ایک رینگتی ہوئی بحر منتخب کی ہے لیکن کہیں کہیں اس بحر کے تقاضے پورے نہیں ہو سکے ہیں اور الفاظ اپنے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا نہیں ہو پائے ہیں۔ یہ بات مشق اور مزاولت سے ضرور دور ہو جائے گی۔ نغمۂ شب اس حیثیت سے ایک اہم نظم ہے کہ شاعر رات جیسی محبوبہ کا پرستار ہونے کے باوجود قنوطی نہیں ہوا ہے۔

سید احتشام حسین

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

درخشاں

از حفیظ بنارسی۔ ڈی لکس اڈیشن قیمت پانچ روپے
ناشر: کلچرل اکاڈمی، گیا، بہار
ملنے کا پتہ :۔ حفیظ بنارسی، ملکی محلہ، آرہ (بہار)

"درخشاں" کے شاعر حفیظ بنارسی جتنے خوش وضع، خوش قطع، خوش فکر، خوش پوش اور شستعلیق ہیں، اتنا ہی ان کا کلام نک سک سے درست، ردیف قافیے، بحر اور وزن سے چوکس، فکر و فن میں غرق اور رنگ و آہن سے مزین ہے۔

حفیظ کا دیوان ان کی شخصیت اور کلام کی طرح دیدہ زیب، دلکش اور خوش کن ہے۔ کیونکہ یہ ایک بہت ہی باقاعدہ انسان کا بہت ہی حسین و جمیل مجموعۂ کلام ہے۔

حفیظ کے یہاں روایات کا احترام، فکر میں توازن، خیالات میں رنگا رنگی، جذبات میں جولانی، نظر میں گہرائی، باریکی اور اظہار بیان پر قدرت ہے۔ اشعار میں مطالعے، مشاہدے اور ذہانت کی جھنکار ہے۔

غمِ جاناں کا اظہار ہو یا غمِ دوراں کا بیان، یہ حرکت، عمل اور عزم کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اشعار ایک باشعور تعمیر پسند اور صحت مند ذہن کی ترجمانی کرتے ہیں جس میں بہتر انسان اور بہتر زندگی کی ایک تڑپ ہے ؎

چلے چلیے کہ چلنا ہی دلیلِ کامرانی ہے
جو تھک کر بیٹھ جاتے ہیں وہ منزل پا نہیں سکتے!

چل پڑے ہیں تو پھر اب لوٹ کے جانا کیسا	تیری منزل رسن و دار کی منزل ہی سہی

شاعری میں عرفان کی وجہ یہ ہے کہ انھیں کانٹوں کی چبھن کا احساس ہے اور یہ زندگی کو

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

بستر گلاب نہیں بلکہ مسائل کی زلفِ پُر خم سمجھتے ہیں۔ انھیں غیروں سے نہیں اپنوں سے شکایت ہے، انکی یہ روش اِن کے سیاسی شعور اور بیدار مغزی کی غمازی کرتی ہے:۔

شکایت بجلیوں سے ہے نہ شکوہ بادِ صرصر سے
چمن کو خود چمن والوں نے ویرانہ بنا ڈالا

لُٹ گئی آبروئے فصلِ بہاراں اے دوست!
بوالہوس جب سے گلستاں کے نگہدار بنے

"صبح بنارس" کے خالق کا مجموعۂ کلام "درخشاں" بجا طور پر اس اعزاز کا مستحق ہے کہ بہ شوق اس کا مطالعہ کیا جائے اور لائبریری کی زینت بنایا جائے۔ غالباً اسی قسم کی یادگار زمانہ کتاب کے لئے کہا گیا ہے کہ "اس کے پڑھنے سے لاکھوں کا بھلا ہوگا"۔

احمد جمال پاشا

نغمۂ شعور — از عبدالمتین نیاز۔ صفحات ۱۱۲۔ قیمت مجلد ۲.۷۵

ناشر: مرکز ادب، بدھوارہ۔ بھوپال۔ **ملنے کا پتہ:** ثروت منزل، موتیا پارک، بھوپال

عبدالمتین نیاز بھوپال کے اُن چند با حوصلہ فنکاروں میں سے ایک ہیں جنھیں اپنے فن پر اعتماد ہے اور جو اپنے کلام پر دوسروں کی غیر جانبدار آرار کو برداشت کر سکتے ہیں۔ "نغمۂ شعور" ان کے کلام کا پہلا مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ متین نیاز نے پرورش تو روایت و قدامت کی گود میں پائی ہے لیکن تقاضۂ ماحول انھیں نئی شاعری کی طرف کھینچتا ہے۔ چنانچہ روایت و بغاوت کی اس کشاکش نے جہاں اُن کے کلام پر کچھ مثبت اثرات چھوڑے ہیں وہیں متضاد خیالات کے حامل اشعار بھی اُن کی کسی ایک ہی غزل میں بیشتر مقامات پر مل جاتے ہیں۔ حوالے دینے کی عام روش سے اور تفصیل سے بچتے ہوئے آخر میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ متین نیاز کے ہاں ابھی ان کی انفرادیت اور اپنا لہجہ تو نہیں آپایا ہے لیکن "نغمۂ شعور" ان کے ہاں امکانات کی نشاندہی ضرور کرتا ہے۔ انتخاب میں قدرے سختی اور سلیقے سے کام لیا جاتا تو نغمۂ شعور زیادہ اچھا مجموعہ بن سکتا تھا۔ بحیثیت مجموعی کتاب گوارا ہے۔

مظفر حنفی

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

درخشاں

جواں سال وجواں فکر شاعر حفیظ بنارسی کی پُرکیف وحیات آفریں نظموں، غزلوں، قطعات
ورباعیات کا نہایت ہی دلکش، حسین وجمیل مجموعہ ——

"حفیظ بنارسی عصرِ نو کے جانے پہچانے شاعر ہیں اور غزل ہو یا نظم اپنے پُرخلوص اندازِ نظر اور
سلجھے ہوئے شاعرانہ طرزِ اظہار سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے پاس مطالعہ کی توانائی بھی ہے اور مشاہدہ کی
تازگی بھی، اسی لئے کلام پُرتاثیر ہے۔ انھوں نے رسمی تجربوں میں اپنا وقت گنوانے کی بجائے اس
بات پر توجہ دی ہے کہ وہ جو کچھ کہیں وہ سطحیت کے عیب سے پاک ہو اور عام دلوں تک رسائی
حاصل کرلے......

(سید احتشام حسین)

خوبصورت ودلکش کتابت وطباعت، دیدہ زیب سرورق، مضبوط جلد، ۱۹۲ صفحات قیمت ۵ روپے

ملنے کا پتہ:- حفیظ بنارسی ملکی محلہ۔ آرہ (بہار)

WANTED

Agents in U. P.

for

Durby & Durex Sewing Machines

(Regd. Trade Mark)

Contact :

Bombay Sewing Machine Co..

1557 NAI SARAK, DELHI-6

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

نہ کی کہ انھیں بھی زبان و ادب سے محبت تھی۔

تیسری بار "شاہکار" کا دفتر پھر منتقل ہوا اور اب پانچ کی جگہ صرف دو حصہ دار رہ گئے۔ جناب ممتاز الحق اور میں۔ ممتاز صاحب کے توسل اور یقین دہانیوں سے امید تھی کہ "شاہکار" کی مالی حالت درست ہو جائیگی۔ لیکن یہ خوش فہمی زیادہ دن برقرار نہ رہی۔ تاہم میں اسی میں خوش تھا کہ "شاہکار" زندہ رہے۔ پھر ایک قانونی دشواری کے باعث "شاہکار" کے بند ہونے کی نوبت آگئی۔ اسی دوران ممتاز صاحب سے کچھ اختلافات ہوئے اور انھوں نے "شاہکار" کا نیا ڈکلریشن دے کر مجھے نہ صرف ملکیت سے خارج کر دیا بلکہ ادارت سے بھی برطرف کر دیا۔ یہ "شاہکار" کے پچاسویں نمبر کا ذکر ہے۔ ممکن ہے میں خاموش رہ جاتا لیکن "شاہکار" کی صوری اور معنوی شکل اتنی مسخ کر دی گئی تھی کہ میں بے چین ہو گیا۔ جس پودے کی خونِ جگر سے آبیاری کی تھی اس کے جوان ہونے پر خوبصورت پھولوں کی جگہ کانٹے دیکھنا گوارہ نہ تھا۔ قانون کا سہارا لینے پر "شاہکار" کی زندگی کو خطرہ تھا۔ چنانچہ ممتاز صاحب کی اس تجویز کے جواب میں کہ میں ان سے ایک خاص رقم لے کر "شاہکار" سے دست بردار ہو جاؤں۔ میں نے ان کی خدمت میں ڈیڑھ گنی رقم کی پیش کش کی اور وہ "شاہکار" کا حقِ ملکیت میرے نام منتقل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ اتنی رقم آئے کہاں سے؟ عورت کے لئے اپنے زیورات سے زیادہ صرف اولاد عزیز ہوتی ہے۔ میں نے اولاد کے مستقبل کے لئے "شاہکار" کا حصول ضروری بتایا اور خوب خوب سبز باغ دکھا کر بیوی کے زیورات حاصل کر لئے۔ رقم اب بھی پوری نہ ہوتی تھی۔ برادرم اطہر پرویز علی گڈھ میں تھے۔ انھوں نے میرے خط کے جواب میں یکمشت چھ سو روپے بھیج دئے اور یوں "شاہکار" کا دفتر میرے گھر آگیا۔

نیا پرچہ شایع کرنے کے لئے مزید پیسوں کی ضرورت تھی۔ میں نے اپنے ادیب دوستوں کو خط لکھے اور وہی پچاسواں نمبر جس پر میرا نام نہیں تھا، وی۔ پی کر دیئے۔ بمبئی کے چند بڑے ادیبوں کے سوا تقریباً سبھی نے نہ صرف بخوشی وی۔ پی وصول کیا بلکہ بڑی محبت سے آئندہ بھی اعانت کا وعدہ کیا۔ بیتش ستر ا ہندوستان سے باہر گئے ہوئے تھے۔ لکھنؤ آئے تو سو روپے بھیج دیئے۔

برادرم انتخاب سید نے پہلے ہی تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے ایک اور شخص کو دفتر میں رکھ لیا۔ اس کی محنت اور مستعدی سے "شاہکار" کی اشاعت میں بھی اضافہ ہوا لیکن حیدرآباد اور جھارا شٹر کے

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

دورے میں اور پھر دفتر میں اُسی مستعدی سے اُس نے تقریباً سوا ہزار روپے خورد برد کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم "شاہکار" کی بنیا مضبوط کر سکتی تھی، لیکن میں اس نقصان کی بدولت کچھ اور مقروض ہو گیا۔

گذشتہ سال میں خود بمبئی گیا تو وہاں ایک فرشتہ خصلت (پنڈت نیائے شرما) نے "شاہکار" کے سارے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لے لیا اور میں نے اطمینان کی سانس لی۔ لیکن ۳ فروری ۱۹۶۹ء کو ان کی ناگہانی موت سے یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ انھوں نے گیارہ سو روپے دیئے تھے۔

اور اب صورت حال یہ ہے کہ "شاہکار" پر پھر چار ہزار قرض کا بار ہے۔ کیونکہ کاغذ، طباعت اور محصول ڈاک کے اخراجات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ ہر نمبر کی اشاعت قرض کی تعداد کچھ اور بڑھا دیتی ہے میں یہ سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں کہ "شاہکار" بند ہو جائے۔ چاہتا ہوں کہ اسے باقاعدگی سے شایع کروں۔ اشتہارات کے حصول کے لئے بھی کوشاں ہوں لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ "شاہکار" سے کچھ لینے کی اب بھی بفضلہٖ کچھ ضرورت نہیں۔ "شاہکار" کو دینا نہ پڑے تو اتنے قرض کی ادائیگی بھی مشکل نہیں۔ اس لئے اپنے تمام قارئین، احباب، ہمدردوں اور کرم فرماؤں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ "شاہکار" کو زندہ رکھنے میں میری مدد کریں۔

"شاہکار" آپ کو پسند ہے تو یقیناً آپ کے دوستوں کو بھی پسند آئے گا۔ آپ چاہیں تو آسانی سے اُنھیں خریدار بنا سکتے ہیں۔ کوشش شرط ہے۔ جن حضرات نے توجہ کی ہے اُنھوں نے بیس بیس خریدار بنا دئے ہیں۔ آپ صرف دو خریدار بنا دیں۔ اگر ایک ہزار نئے خریدار بن جائیں تو "شاہکار" کا مالی مسئلہ حل ہو جائے گا۔

کیا آپ اپنے "شاہکار" کے لئے اتنا کریں گے؟

مخدوم محی الدین کی وفات کا غم بھی میرے لئے اپنا غم ہے لیکن ان کی بات کرنے کے لئے فی الحال گنجائش نہیں ہے۔ "شاہکار" کا نمبر ۶۳ اُن کی یاد کے لئے وقف کر رہا ہوں۔ اس وقت تو اس دعا پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ خدا اُن کی مغفرت کرے اور اُن کے پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔

محمود احمد ہنر

محمود احمد ہنر ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے نیشنل آرٹ پرنٹرس میں چھپوا کر دفتر رسالہ "شاہکار" ۱۳ بخشی بازار الہ آباد سے شایع کیا۔

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Saral.

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

No. 61
Sep. '69

Regd. No. L-959
Rs. 1·25

SHAHKAR

(Literary Urdu Digest)

ALLAHABAD.

نادر و نایاب تحفے

گھر کا ڈاکٹر



ہر قسم کے درد۔ چوٹ۔ موچ۔ ورم۔ زخم۔ دردِ سر۔ دردِ چشم
اعصابی تکالیف۔ بچھو بھڑ کے ڈنک۔ دردِ کمر۔ خنتہ
میٹھوا۔ دردِ کان دردِ دانت۔ دردِ پسلی۔ سوکھا روگ
نزلہ۔ زکام۔ گھٹنوں کا درد۔ ورم طحال۔ دردِ گردہ۔ دردِ سینہ۔ اعصابی کمزوری
نمونیہ۔ جلنے اور کٹنے کے لئے بہت مجرب اور زود اثر ثابت ہوا ہے۔

·50, ·90, 1·65 3/-

روغن برق رجسٹرڈ

یونین کیمیکل ورکس کی کامیاب ایجاد

روغن سملبائی

پورے اور آدھے سر کے درد اور ایسے دردِ سر کے لئے جو سورج کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ بڑھتا اور گھٹتا ہو اور آنکھوں کے ڈھیلوں میں شدت کا درد ہو، حد درجہ مفید ہے۔

ہزاروں لاکھوں اشخاص نے اس خداداد نعمت سے شفا حاصل کی ہے۔ آپ بھی استعمال کریں اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھیں۔

قیمت فی شیشی 1/-. 1·75. 3·25

لاکھوں مریض شفا یاب ہو چکے ہیں

قمرالدین بدرالدین پرفیومرس
چوک الٰہ آباد

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.

شاہکار

No. 61

چند لکھنے والے

جیلانی بانو   کرشن موہن   انور   باقر مہدی

رضیہ فصیح احمد   بلراج کومل   قاضی سلیم

جمیلہ شاہین   گربچن سنگھ   کمار پاشی   بلو بیدل

فہمیدہ ریاض   عشرت نقوی   ادیب سہیل

ناصر شہزاد   شہریار   زیب غوری   قیصر الجعفری

اویس احمد دوراں   راحت نسیم ملک

Collection of Shobhit Mahajan. Courtesy Sarai.